والعصر ○ ان الانسان لفی خسر ○

جامعہ عثمانیہ کا ترجمان

ماہنامہ

العصر

پشاور

مدیر مسئول
مفتی غلام الرحمٰن

اپریل 2005ء صفر ۱۴۲۶ھ

زیر سرپرستی
حضرت مولانا حکیم لطف الرحمٰن صاحب زید مجدہم

جامعہ عثمانیہ پشاور کا ترجمان
ماہنامہ
العصر
پشاور

مجلس ادارت
مدیر مسئول
مفتی غلام الرحمٰن
نائب مدیر
مولانا ذاکر حسن نعمانی

مجلس مشاورت
مولانا حسین احمد
مفتی نجم الرحمٰن
قانونی مشیر
نثار خان ایڈووکیٹ

اپریل 2005ء صفر ۱۴۲۶ھ جلد ۱۱ شمارہ ۴

فہرست مضامین

مضمون	مصنف	صفحہ
صدائے عصر	اداریہ	۲
محاسن القرآن	مفتی غلام الرحمٰن	۵
نوعمری کی مشقت کے بارے میں اسلام کا نقطہ نگاہ	پروفیسر حافظ محمد سلیم	۱۱
انبیاء کرام کے نفوس مطمئنہ ہوتے ہیں	مفتی ذاکر حسن نعمانی	۱۸
علوم وفنون میں معقولات کی ضرورت واہمیت	مولانا حمد اللہ جان	۲۶
عصری تقاضے اور علم فقہ کی تدریس	مفتی غلام الرحمٰن	۴۰
تبصرہ کتب	یعقوب الرحمٰن	۵۴

پوسٹ بکس نمبر ۱۲۰۹ پشاور صدر۔ صوبہ سرحد پاکستان فون ۲۷۳۵۶۱-۰۹۱۔

پبلشر و دفتر
مفتی غلام الرحمٰن نے وحدت پرنٹنگ پریس خیبر بازار پشاور سے چھپوا کر
دفتر ماہنامہ العصر جامعہ عثمانیہ، عثمانیہ کالونی نوتھیہ روڈ پشاور صدر سے شائع کیا

بدل اشتراک فی پرچہ 15 روپے / زر سالانہ اندرون ملک 125 روپے بیرون ملک 25 ڈالر کی قیمت

آپ کی توجہ کیلئے !!

جامعہ عثمانیہ پشاور کے توسیعی منصوبہ میں حلقہ جلوزی علاقہ خٹک چرا[...]
نزد پبی میں پچپن کنال وسیع قطعہ اراضی پر دو ہزار طلباء کیلئے تدریسی، رہائشی اور [...]
عمارات کا مجوزہ نقشہ تیار ہو چکا ہے۔ جس میں ڈھائی ہزار نمازیوں کیلئے جامع [...]
(عبداللہ ابن مسعودؓ) کے نام سے ایک وسیع اور خوبصورت مسجد بھی منصوبہ کا [...]
حصہ ہے۔ سرسری جائزہ کے مطابق صرف مسجد پر (دو کروڑ) 2,00,00,000 رو[...]
کی لاگت آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا پاک نام لیکر اس منصوبہ پر کام شروع کیا گیا ہے

کیا معلوم ؟ کہ آپ جیسے درد دین رکھنے والے بے لوث خادم دین مسلما[...]
کی حلال آمدنی میں سے کچھ حصہ اس کے لئے قبول ہو کر آخرت سنوارنے کا ذریعہ
ثابت ہو۔ اس لئے آپ اس مقدس مشن میں اپنا حصہ نقد، سریا، سیمنٹ، باجری
ریت یا عماراتی لکڑی کی شکل میں ڈال سکتے ہیں۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ا[...]
اہم خدمت کیلئے قبول فرمائے۔ آمین

شعبہ نشر واشاعت جامعہ عثمانیہ پشاور

صدائے عصر

تربیت اساتذہ اور جامعہ عثمانیہ کا احساس

کسی نصاب کی بہتری میں طریقہ تدریس کا بڑا دخل ہے-اچھے سے اچھا نصاب کیوں نہ ہو-جب تک اس کو معیاری طریقہ تدریس میسر نہ ہو-اس سے متوقع نتائج کا حصول مشکل ہے-طریقہ تدریس میں طلباء کے ظرف ذہن، عمر، نفسیات، جغرافیائی ماحول اور معاشرتی حالات کا خاص خیال رکھا جاتا ہے-یہی وجہ ہے کہ جدید تعلیم میں تدریس کو بطور فن تسلیم کرکے اس پر نئی تحقیقات ہو چکی ہیں-چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا بھر کے تعلیمی اداروں میں یکساں طریقہ تدریس مروج نہیں ہے-بلکہ ہر ملک میں اپنا اپنا طریقہ تدریس زیادہ فائدہ مند ثابت ہو چکا ہے-

تعلیمات نبویؐ کی روشنی میں ایک مدرس اپنی تدریس کے لئے بہتر راستہ کی تعیین کر سکتا ہے-کیونکہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی معلم بنا کر دنیا میں بھیجا گیا-اس لئے بطور معلم آپ کا اسوہ احسنہ ایک مسلمان مدرس اور استاد کے لئے گرانقدر سرمایہ ہے-امام بخاریؒ نے ﴿کتاب العلم﴾ کے حوالہ سے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات سے مسائل اخذ کرکے ایک اسلامی تعلیمی پالیسی ترتیب دی ہے-جس میں طلبہ کی نفسیات کی اہمیت بھی بیان کی گئی ہے-

ہمارے نظام تدریس میں اس خامی کو تسلیم نہ کرنا یقیناً زیادتی ہوگی کہ ہم نے تدریس کو بطور فن کبھی تسلیم نہیں کیا-یہی وجہ ہے کہ ہمارے نوجوان فضلاء خود اپنے شوق و ذوق سے تدریس کا شعبہ اختیار کرکے جب علمی سفر پر نکلتے ہیں تو بغیر کسی رہبر اور رہنمائی کے آنکھیں بند کرکے سفر جاری رکھتے ہیں-یہی وجہ ہے کہ ابتدائی حالات میں عموماً طلبہ کے اذہان پر وہ بوجھ ڈالتے ہیں-جس کے تحمل کی قوت طلباء کبھی نہیں رکھتے-دس پندرہ سال پڑھا کر تب آگے جا کر ان کا

تجربہ ہوتا ہے-اور اچھے برے یا کھرے کھوٹے کی تمیز ہو جاتی ہے-لیکن یہ مدرس کی زندگی کا وہ مرحلہ ہوتا ہے-جہاں قوتیں جواب دیتی ہیں-ممکن ہے، اس عمر میں یہ بہتر مدرس ثابت ہو، لیکن اس کے تجربہ سے کسی دوسرے نوجوان فضلاء کو استفادہ کا موقعہ کبھی نہیں ملتا-عموماً یہی تجربہ کار علماء اپنے تجربات کو ساتھ لیکر دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں-یہ اپنے پیچھے تجربہ کسی تحریری شکل میں چھوڑنے کی ضرورت محسوس کرتا ہے اور نہ کوئی اس کو عملی طور پر اپناتا ہے-آئے دن یہی طریقہ چلتا آرہا ہے-تجربہ کاروں سے استفادہ کا موقعہ نہیں ملتا-اور نئے لوگ مختلف قسم کے تجربوں سے ہو کر نکلتے ہیں-شاید اس کا احساس بڑے بڑے مدارس میں نہ ہو-لیکن چھوٹے اور درمیانہ درجہ کے مدارس میں اس کی ضرورت کا احساس بڑی شدت سے ہوتا ہے-

جامعہ عثمانیہ نے آج سے پانچ سال قبل ایک نظام کے بارے میں سوچا تھا کہ کیوں نہ ہم اکابرین اساتذہ کے تجربات سے فائدہ اٹھائیں-اور ان نوخیز مدرسین کے لئے سنہری موقعہ فراہم کرنے کا ذریعہ بنیں-لیکن اللہ تعالیٰ کو منظور نہیں تھا-اس لئے کسی وجوہات کی بناء پر ہمیں اس سے پیچھے ہٹنا پڑا-اور وہ تمنا ادھوری رہ گئی-بار بار خواہش کے باوجود یہ جرات ہمارے لئے مشکل تھی-صرف اس پر اکتفا کرلیا کہ دورہ حدیث کے فضلاء کو سالانہ چھٹیوں میں ﴿تدریب المعلمین﴾ کے نام سے کچھ مواد پڑھائے جانے لگے-تعلیمی سال نمبر ۱۳ کے سالانہ اجلاس میں مجلس شوریٰ نے جب اس اہم مسئلہ کا احساس دلایا کہ کیوں نہ ہم تربیت اساتذہ کے حوالہ سے کچھ بندوبست کریں-جس سے اساتذہ کو استفادہ کے سنہری مواقع فراہم ہوں-چنانچہ سال رواں میں مجلس تعلیمی نے شوریٰ کے اس اہم فیصلہ کو عملی جامہ پہناتے ہوئے ۱۶، ۱۷ مارچ کو دو روزہ تربیت اساتذہ کا اہتمام کیا-جس میں جامعہ کے تیس اساتذہ کرام، درجہ تخصص کے سولہ ۱۶ فضلاء اور جامعہ کے گذشتہ تین سالوں کے فضلاء جو تدریسی میدان سے وابستہ ہیں، کو ملا کر مجموعی طور پر ساٹھ کے قریب علماء کو تدریس کے موضوع پر مختلف لیکچرز کا اہتمام کیا گیا-جس میں شیوخ عظام، پروفیسر حضرات اور دوسرے تعلیمی ماہرین نے اپنے تجربات بیان کئے-بحمد اللہ جامعہ کا یہ کامیاب

Scanned with CamScanner

تجربہ تھا-اور آئندہ کے لئے انشاء اللہ ایک حوصلہ افزا قدم اٹھانے کے لئے موقع فراہم
ذریعہ ثابت ہوگیا-اس دوران بعض اساتذہ کرام کے لیکچرز کا خلاصہ یا اہم نکات پیش
ہیں- خدا کرے کہ یہ نوجوان فضلاء کے لئے رہبری کا سامان مہیا ہو- تاہم مشاہدہ
استفادہ کا احساس ہوا ہے-الفاظ شاید ان احساسات کی ترجمانی کا حق ادا نہ کرسکیں-اس
پر اگر ارباب ذوق لکھنا چاہیں تو ماہنامہ العصر کے صفحات حاضر ہیں- آپ لکھیں ادارہ شائع کر
گا-والعصر ○ ان الانسان لفی خسر ○

تطبیق الایات

اہل قرآن کے لئے ایک انمول تحفہ

قرآن وتفسیر کے ساتھ شوق وذوق رکھنے والوں کو خوشخبری دی جاتی ہے کہ مولانا مفتی ذاکر حسن نعمانی صاحب کی مذکورہ بالا نام کی ایک اعلیٰ تصنیف طبع ہوکر منظر عام پر آچکی ہے--جس میں قرآن مجید میں موجود ظاہری متعارض آیات میں قدیم وجدید تفاسیر کے حسین امتزاج سے تطبیق دی گئی ہے- جو تمام اساتذہ تفسیر اور طلباء کیلئے یکسر مفید ہے-

حصول کیلئے درج ذیل پتہ نوٹ کریں-

شعبہ دار التصنیف جامعہ عثمانیہ پشاور

مفتی غلام الرحمن

وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا ان اللہ لا یحب المعتدین ○

ترجمہ-اللہ تعالیٰ کے راستہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں-مگر زیادتی نہ کرو- کیونکہ اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا-

محاسن -حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے-امور انتظامیہ اور امور مصلحہ کے بعد پہلی دفعہ جہاد کا تذکرہ ہے-اور یہ سورت کے دوسرے حصہ کا اصل موضوع ہے-اگرچہ ابوبکر صدیق کے نزدیک سورۃ حج کی ﴿اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا﴾ پہلی آیت ہے-جو جہاد کے موضوع پر اتری-لیکن اکثر علماء کے نزدیک زیر نظر آیت کو اس موضوع میں سبقت حاصل ہے-

حکم جہاد کا تدریجی ارتقاء-

اس میں کوئی شک نہیں کہ ﴿جہاد فی سبیل اللہ﴾ اسلام کی ایک امتیازی خوبی ہے- میرے خیال میں مسلمان کے علاوہ کوئی دوسری قوم ایسی نہیں پائی جاتی جو نظریہ پر مرمٹنا اپنی سعادت سمجھے- یہ اسلامی معاشرہ کا تشخص ہے-اور قیامت تک اسلامی معاشرہ اس تشخص سے مزین رہے گا- کسی اجتہاد یا نظریہ ضرورت کے تحت اسلام سے جہاد کا حکم ختم کرنا ممکن نہیں-اور نہ کوئی ایسی اتھارٹی ہے-جس سے یہ حق حاصل ہو- تاہم اس کا یہ مطلب نہیں کہ مسلمان ہتھیار ہاتھ میں اٹھا کر آنکھیں بند کرکے لوگوں کو مارتا رہے-اور اس کو جہاد کا نام دے- جہاد ایک ایسی حقیقت ہے جو اپنے وجود میں باقاعدہ ان شرائط کا محتاج ہے- جو شریعت نے مقرر کی ہیں-

مکی زندگی میں مسلمان مظلومیت کے شکار تھے-دشمنان اسلام مسلمانوں کو اجتماعی قوت

Scanned with CamScanner

بننے نہیں دے رہے تھے-اسلئے جہاد کا حکم ان دنوں تک موخر کیا گیا، جب مسلمانوں کی اجتما
قوت پیدا ہو-مکہ میں مسلمان اسلام کی سربلندی کے لئے دعوت سے کام لے رہے تھے-ابو [illegible]
اور ابولہب جیسے متعصب مشرکین کی موجودگی میں اللہ تعالی کی وحدانیت کا پیغام دینا، یقیناً بڑا
تھا-ان لوگوں کے نزدیک ایک اللہ تعالی کو معبود مان کر معبودان باطلہ سے بےزاری کا اعلان
آباؤاجداد کی نظریات سے بغاوت کے مترادف تھا-اس لئے اس دور میں دعوت کا کام بھی
قربانی کا حامل رہا ہے-جب مصیبتوں کا سلسلہ طویل سے طویل تر ہوتا رہا-تو صحابہؓ کو اس
ہجرت کی اجازت دی گئی-چنانچہ پہلے حبشہ کی طرف ہجرت اور بعد میں مدینہ کی طرف ہجرت
کی بڑی مثالیں ہیں-

نبوت کے تیرھویں سال جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ منورہ جانے کی اجازت
گئی-اور صحابہؓ نے وہاں جا کر اطمینان کا سانس لیا تو مشرکین نے یہاں پر مسلمانوں کو آرام
بیٹھنے نہیں دیا-یہود بھی ان کے ساتھ ملکر مسلمانوں کی ایذا رسانی میں اضافہ کا سبب بنے
وقت دفاعی جہاد یعنی جان بچانے کے لئے لڑنے کی اجازت دی گئی-اس آیت میں یہی حکم
لیکن اس وقت جہاد کی اجازت تین شرائط کے ساتھ دی گئی-

(ا) لڑائی میں پہل نہ کرو-کیونکہ دفاعی جہاد کا دائرہ یہی ہے کہ دوسروں کو مت چھیڑو-لیکن
پر کوئی حملہ آور ہو-تو پھر تمہیں دفاع کا پورا حق حاصل ہے-

(۲) لڑائی صرف ان لوگوں تک محدود رہے-جن سے میدان جنگ میں واسطہ ہو-﴿الذ
یقاتلونکم﴾ یہ بتا رہا ہے اگر کوئی شخص تم سے مقابلہ میں نہ ہو-اس پر ہاتھ اٹھانا جائز نہیں

(۳) تیسری شرط یہ عائد کی گئی کہ دشمنوں کے ساتھ تمہیں وہ سلوک کرنا چاہیے جو وہ تم سے
ہیں-اس سے تجاوز کرنے کی اجازت نہیں-﴿ولا تعتدوا﴾ لاکر سختی سے منع کیا گیا
انتقامی جذبہ سے زیادتی کا ارتکاب نہ ہو کیونکہ اللہ تعالی ان لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو تجاوز
ہیں-

ہاں آگے جا کر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجاہدانہ زندگی کے مطالعہ سے یہ راز کھلتا ہے کہ اسلام نے جہاد صرف دفاعی میدان تک محدود نہیں رکھا بلکہ خود بھی جہاں کہیں مناسب سمجھا اقدام کی اجازت دی-

دشمنان اسلام اور جہاد-

مسلمانوں کے جہادی جذبہ کو دشمن نے ہمیشہ کے لئے نفرت کی نظر سے دیکھا-آج بھی (دہشت گردی) کی اصطلاح وضع کر کے مسلمانوں کو بدنام کرنے کی مذموم کوشش کی جا رہی ہے-میڈیا خواہ پرنٹ ہو یا الیکٹرانک، سب کا ہدف ایک ہے کہ مسلمان دنیا میں بدنام ہوں-اس کے لئے مستقل ادارے قائم ہیں-اور وہ نت نئے طریقے استعمال کر کے دنیا کو یہ باور کرا رہے ہیں کہ دنیا میں مسلمانوں نے ہمیشہ جبر واستبداد اور تشدد سے کام لیا-مخالفین کو برداشت نہ کرنے کی وجہ سے ان کو مارنا مناسب سمجھا-حالانکہ یہ اسلام سے ناواقفیت اور مسلمانوں کی عظمت رفتہ سے بےخبری کی دلیل ہے-اسلام اور ایمان دونوں کلمات مسلمانوں کی شناخت کے الفاظ ہیں-اور ان دونوں کلمات میں سلامتی اور امن وآشتی کا درس پنہاں ہے-مسلمان، ایک انسان تو درکنار بلکہ وہ پرندوں اور حیوانات پر تشدد کا مخالف ہے-اللہ تعالی کی مخلوق پر وہ ظلم وزیادتی برداشت نہیں کرتا ہے-اسلامی تعلیمات میں معاشرتی سازگاری کے لئے ہر قسم کا جبر وتشدد ناقابل برداشت ہے-بدقسمتی سے لوگ جہاد کے فلسفہ سے ناواقفیت کی وجہ سے اس کو دہشت گردی سے جوڑ رہے ہیں-حالانکہ دہشت گرد، قرآن کی اصطلاح میں مفسدین اور محاربین اللہ والرسول یعنی اللہ اور اس کے رسول کے دشمن قرار دیے گئے ہیں-

دشمنان اسلام کے زہریلے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر کئی ارباب قلم نے جہاد کو صرف دفاعی میدان تک محدود کیا-جہاد کو صرف دفاع تک محدود رکھنا فلسفہ جہاد سے متصادم نظریہ ہے-کیونکہ معاشرہ میں دفاعی اقدامات بنیادی حقوق کا حصہ ہیں-دنیا میں ہر ایک دفاع کا حق محفوظ رکھتا ہے-اس میں اسلام کی کیا خصوصیت ہے جبکہ جہاد صرف اسلام کی خصوصیت ہے-اسلام

میں دفاعی جہاد کی طرح اقدامی جہاد بھی ہے۔لیکن اس کی تشریح وہ نہیں جو دشمن کی زبان سے کی جاتی ہے۔لوگ جہاد کا یہ مطلب لیتے ہیں کہ مسلمان تلوار ہاتھ میں لئے ہوئے جو بھی مخالف نظر آئے اس کا سر قلم کرتا ہے۔اور کسی غیر مسلم کو برداشت نہیں کرتا۔ حالانکہ ایسا نہیں۔مسلمان کا یہ عقیدہ ہے کہ کرہ ارض پر پوری انسانیت ہدایت کا محتاج ہے۔انسان کی فلاح اور نجات اپنے محسن حقیقی اور خالق کی پہچان میں ہے۔اللہ تعالی کی واحدانیت کا اقرار کرکے انسانیت کی تعمیر ممکن ہے۔ اور اس کے لئے اللہ تعالی کے آخری پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا ماننا ضروری امر ہے۔اور یہی کلمہ طیبہ کا پیغام ہے۔چونکہ مسلمان اس میں مشاہدہ کرکے کامیابی دیکھتا ہے۔اس لئے وہ پوری انسانیت کے لئے ہدایت کو قبول کرنے کے لئے بے قرار رہتا ہے۔کسی پر جبر واکراہ کا اسلام قائل نہیں اور نہ زور سے کسی کو مسلمان بناتا ہے۔خیر خواہی کے جذبہ سے ہر ایک کے سامنے اپنا موقف پیش کرتا ہے۔جس کو ﴿دعوت﴾ کا نام دیا جاتا ہے۔اگر مسلمان کسی معاشرہ میں اقلیت کی شکل میں ہو۔تو وہاں پر معاشرتی زندگی میں مثالی زندگی یعنی چلتا پھرتا قرآن ثابت ہونے کی کوشش کرے گا۔ اور لوگوں کو حق دین کی دعوت دینا اپنی ذمہ داری سمجھے گا۔ ہاں جہاں کہیں مسلمان کو معاشرہ میں اکثریت ملے تو پھر نظام حیات میں عادلانہ نظام کا علمبردار ہو کر اقلیت کے حقوق کا محافظ رہے گا۔ طاقت کے زور پر کسی کو مسلمان نہیں بنایا جائے گا۔ ہاں ایسی صورت میں مسلمان کی اکثریت اور عادلانہ نظام کے اجراء کے باوجود کسی کو اس کی بیخ کنی کی اجازت نہیں دی جاتی ہے۔ عالمی سطح پر خارجی پالیسی میں رواداری اور بقاء امن کی پالیسی کا فرما رہے گی۔ اسلام چونکہ پوری دنیا میں امن وسلامتی کا علمبردار ہے۔ اس لئے کسی خاص قطعہ پر اکثریت کا قیام اس کا مقصد نہیں بلکہ پوری دنیا کے لئے فکر مندی اس کا مقصد حیات ہے۔ دنیا میں امن کا پیغام لیکر جب مسلمان اپنا سفر جاری رکھے تو جو بھی رکاوٹ بنے گا۔اس سے نمٹنے کی ذمہ داری بھی اس پر پڑتی ہے۔اس میں جان کی قربانی مسلمان کی سعادت ہے۔اس راستہ میں مسلمان کی جان ومال حاضر ہے۔اس سفر کو جاری رکھنا جہاد کہلاتا ہے۔ابھی اس میں کونسا تشدد اور زیادتی ہے جو دنیا

کے لئے ناقابل برداشت ہے۔کیا آج غالب قوتیں یہی نہیں کررہی ہیں؟ فرق صرف یہ ہے کہ موجودہ غالب قوتیں مفادات کی جنگ لڑرہی ہیں۔جس میں اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے وہ سب کچھ جائز سمجھتی ہیں۔ جبکہ اسلام دنیوی مفادات کی بجائے امن کے نظریہ کی بقاء اور احیاء کی جنگ لڑتا ہے۔جس میں وہ جنگ کی حالت میں ضابطہ اور قانون کا پابند ہے۔ دنیا کی وہ کونسی قوم ہے۔ جو جنگ کے میدان میں بھی اپنے آپ کو جوابدہ سمجھتی ہے؟ امریکہ نے عراق اور افغانستان کی جنگ میں کسی ضابطہ کی پابندی ضروری نہیں سمجھی۔ بلکہ ہر قسم کی بربریت اور ظلم وتشدد کے لئے جواز کا راستہ فراہم کرنے کے لئے اقوام متحدہ کے پلیٹ فارم کو مناسب سمجھا۔ آج گوانٹاناموکے پنجروں میں مسلمانوں سے کیا کچھ نہیں ہورہا ہے۔ ہیگ اور جنیوا معاہدے کس کام کے ہیں؟ گویا دنیاوی مفادات کے لئے لڑنے والے جنگ میں کسی قانون کی پابندی ضروری نہیں سمجھتے ۔ جبکہ اسلام اس وقت میں بھی عدل وانصاف کا ترازو تھامے رکھتا ہے۔ یہاں سے دہشت گردی اور جہاد ایک دوسرے سے نمایاں ہو کر نظر آتے ہیں۔ جہاد ظلم کے خلاف ایک مضبوط آواز ہے۔جس سے مظلوم، بے سہارا اور جبر وتشدد کے شکار لوگوں کو سہارا ملتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جہاد کے میدان میں ایسے لوگوں کے مارنے سے اجتناب کیا جاتا ہے۔ جو ظلم کا معاون اور سہارا نہ ہوں۔ چنانچہ خواتین، چھوٹے بچوں، معذور، بوڑھے، مجانین، معاہد، اور دینی شخصیات کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ اور ایسے لوگوں کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ جو ہمدردی کے جذبہ سے انسانی خدمات سرانجام دے رہے ہوں۔

جہاد کی ہمہ گیری۔

فریضہ جہاد کی ادائیگی کو صرف میدان جنگ تک محدود رکھنا دانشمندی نہیں ۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ جان کی بازی لگا کر دشمن کے مقابلہ میں نکلنا بڑی قربانی ہے۔لیکن جہاد کے مفہوم میں وسعت پائی جاتی ہے۔اللہ تعالی کی رضا کے لئے دین کی خدمت کے لئے جس شعبہ میں نکلے ۔ذاتی مفادات کو داؤ پر لگاتے ہوئے اللہ تعالی کی رضا مقصود قرار دی جائے تو یہ جہاد کا شعبہ ہے۔

دشمنوں کی صف میں گھس کر تلوار اٹھانا مشکل کام ہے۔ لیکن ان صفوں میں رہتے ہوئے حوصلہ رکھنا اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے محنت کرنا بڑی جرات ہے۔ جذبات سے سرشار ہو کر دین کی خدمت کے دوسرے شعبوں سے انکار کرنا مناسب نہیں۔ وسعت اور ہمہ گیری کا نظریہ رکھ کر وسعت ظرفی کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ دین کی خدمت سے وابستہ ہر فرد کو اپنا معاون سمجھنا چاہیے۔ انفرادیت کے دعوی سے بڑے سے بڑا کام متاثر ہوتا ہے۔ آج کے نازک دور میں ہمیں اس خول سے نکلنا ہوگا کہ ہم یہ سمجھیں کہ دین کا کام صرف میں کر رہا ہوں بلکہ میں تو ایک ادنی خادم ہوں۔ جہاں کہیں کوئی مسلمان مرد و زن کسی درجہ میں دین کی خدمت سے وابستہ ہوں۔ اسے عظمت کی نگاہ سے دیکھنا چاہیے۔

دو رخاپن

جو شخص دنیا میں دو رخاپن اختیار کرے گا، قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی دو زبانیں ہوں گی (ارشاد نبویؐ)

نوعمری کی مشقت کے بارے میں اسلام کا نقطہ نگاہ

پروفیسر حافظ محمد سلیم

اسلام دین فطرت اور مکمل ضابطہ حیات ہے۔ اسلام میں دو قسم کے حقوق ہیں۔

(۱) **حقوق الله**۔ اللہ تعالی کے حقوق انسانوں پر۔

(۲) **حقوق العباد** - انسانوں کے حقوق انسانوں پر۔ پہلی قسم سے مراد اللہ تعالی کی ذات وصفات پر ایمان و یقین۔ توحید۔ رسالت۔ آخرت پر یقین۔ نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوۃ۔ وغیرہ ہیں۔

معاشرتی زندگی میں مثلاً تجارت۔ زراعت۔ صنعت و حرفت۔ گھریلو زندگی۔ انفرادی اور اجتماعی زندگی میں دین اسلام کے احکام کی پابندی کرنا۔ اور ان کے کاموں سے رکنا، جن سے اللہ اور رسول نے منع کیا ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ بہترین اخلاق اپنانا۔ حقوق العباد کا مقصد یہ ہے کہ دین اسلام نے انسانوں کے مختلف طبقات کے درمیان حقوق کی جو تقسیم کی ہے۔ اور جن سے معاشرے میں امن و سکون اور خوشحالی قائم ہو سکتی ہے۔ مثلاً ماں باپ کے حقوق، اولاد اور بچوں کے حقوق۔ رشتہ داروں اور پڑوسیوں کے حقوق۔ اساتذہ اور شاگردوں کے حقوق۔ شوہر اور بیوی کے حقوق۔ غیر مسلموں کے حقوق۔ غرض معاشرے کے ہر فرد کے لئے دوسرے فرد پر جو حقوق عائد کئے گئے ہیں۔ ان کو حقوق العباد کہا جاتا ہے۔

چونکہ میرے موضوع کا تعلق بچوں کے حقوق اور بچوں سے مشقت لینا ہے۔ اس لئے اس کے بارے میں قرآن و حدیث کی روشنی میں چند باتیں عرض کرتا ہوں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ نیک اولاد اور بچے خدا کی رحمت ہیں۔

چونکہ اللہ تعالی اپنی مخلوق پر بڑا مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے۔ (اللہ تعالی بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے)۔ (سورۃ فاتحہ آیت نمبر ۲) اللہ نے اپنی ذات پر رحمت کو لازم کر لیا ہے۔ سورۃ الانعام آیت ۲۔ میرے بندوں کو بتا دیجئے کہ میں بڑا بخشنے والا اور

مہربان ہوں-سورۃ الحجر آیت (۵۴) اور حضور ﷺ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور اے محمد ﷺ ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے-سورۃ الانبیاء آیت نمبر (۱۰۷) اسی لئے حضور ﷺ کا ارشاد ہے جو اللہ کی مخلوق پر رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا-سنن ترمذی جلد (۲) صفحہ ۴۵۵- اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں-رسول اللہ ﷺ نے فرمایا-وہ ہم میں سے نہیں جس نے ہمارے چھوٹوں پر رحم نہیں کیا-اور بڑوں کی عزت نہیں کی-سنن ترمذی جلد باب فی رحمۃ الصبیان صفحہ (۴۵۶) حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا-سنن ترمذی جلد (۲) صفحہ (۴۵۶) ان آیات اور احادیث سے معلوم ہوا کہ مخلوق اور خصوصاً چھوٹے بچوں پر شفقت نرمی اور مہربانی کرنا قرآن وحدیث کی روشنی میں کتنا اہم ہے-

اب آتے ہیں نوعمری کی مشقت کے بارے میں، پہلی بات تو یہ ہے کہ اسلام نوعمری میں بچوں کی تعلیم وتربیت پر بڑا زور دیتا ہے-حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں-حضورؐ نے فرمایا جس کے ہاں بیٹا پیدا ہو جائے، تو اسے چاہیے کہ اس کا اچھا سا نام رکھ دے اور اسے اچھی تعلیم و تربیت دے-اگر وہ بالغ ہو جائے تو اس کی شادی کرا دے-اور اگر وہ بالغ ہو اور اس کی شادی نہیں کرائی اور اس سے کوئی گناہ سرزد ہوا-تو اس کا گناہ اس کے والد کے سر آن پڑے گا-مشکوۃ جلد نمبر ۲ صفحہ (۱۷۰) حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں-حضور ﷺ نے فرمایا جس کی تین بیٹیاں ہوں یا تین بھائی ہوں-یا تین بہنیں ہوں-اور اس نے ان کی اچھی تعلیم وتربیت کی اور ان کے ساتھ احسان کیا تو وہ جنت میں داخل ہوگا-سنن ترمذی ابواب البر والصلۃ جلد (۲) صفحہ (۴۵۵)

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے-﴿لا يكلف الله نفساً الا وسعها﴾ اللہ تعالیٰ مکلف پابند نہیں بناتا کسی جان کو-جس کی اسے طاقت نہ ہو-سورۃ البقرہ آیت ۲۸۶-اور مزید فرمایا اے ہمارے رب اور ہم پر ایسا بوجھ اور بار نہ ڈالئے-جس کی ہمیں طاقت نہ ہو-آیت ۲۸۶ سورۃ البقرۃ-یعنی اسلام کا اصول یہ ہے کہ کسی انسان پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالا جائے-بلکہ اللہ نے ہمیں دعا بھی بتلا دی کہ اللہ تعالیٰ سے بھی طاقت سے زیادہ مشقت اور بوجھ نہ ڈالنے کی دعا کریں-تو معلوم ہوا کہ جب عام انسانوں پر مشقت اور بوجھ ڈالنا اسلام میں ممنوع ہے-تو بچوں پر تو بطریق اولیٰ ممنوع ہے-اور اگر خدانخواستہ کوئی بچہ مجبوری کی وجہ سے کسی کا نوکر یا خادم ہو-تو اسلام نے اس کے ساتھ اچھا سلوک اور رحم دلی کی تعلیم دی ہے-

احادیث کی کتابوں میں مملوک، خادم، اور نوکر کے حقوق کے بارے میں ایک باب (موضوع) رکھا گیا ہے-ان میں سے چند احادیث پیش خدمت ہیں-حضرت علی فرماتے ہیں-وفات سے قبل حضورؐ کا آخری کلام یہ تھا-نماز-نماز-یعنی نماز کی پابندی کرو-اور اپنے خادموں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو-یعنی ان کے حقوق کا خیال رکھو-سنن ابی داؤد جلد نمبر ۴ صفحہ ۳۴۶-حضرت ابوذر غفاریؓ فرماتے ہیں-حضورؐ سے میں نے سنا-آپؐ فرما رہے تھے-تمہارے نوکر اور خادم جن کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے ماتحت کر دیا ہے-پس جس کے ماتحت کوئی خادم ہو تو جو خود کھاتا ہے، اسے بھی کھلائے اور جو لباس خود پہنتا ہے، اسے پہنائے-اور ان پر ایسی مشقت مت ڈالے جو ان کو تکلیف دے-اور اگر بوجھ زیادہ ہو تو اس کی مدد کرے-ابوداؤد صفحہ (۳۴۷) کتاب الادب جلد نمبر (۲) اور ایک حدیث میں فرمایا-کہ اپنے مزدور اور خادم کو دن میں ستر مرتبہ معاف کیا کرو-ابوداؤد جلد (۲) صفحہ ۳۴۷ اور ایک حدیث میں یہ بھی ہے کہ جس نے اپنے خادم کو مارا یا اسے سزا دی تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ اسے آزاد کر دے-ابوداؤد کتاب الادب جلد (۲) صفحہ (۳۴۸) اس سے معلوم ہوا کہ اسلام میں خصوصاً بچوں سے مشقت لینا یا زیادہ بوجھ ڈالنا نہایت قابل مذمت ہے-

حضور ﷺ نے فرمایا-خادم اور نوکر کو اچھی طرح سے کھانا اور لباس دو-اور اس کو طاقت سے زیادہ کام کا پابند مت بناؤ (الحدیث) موطا امام مالک باب الرفق بالمملوک صفحہ (۷۳۰) حضرت عمرؓ اپنے دور خلافت میں ہر ہفتہ کے دن مدینہ منورہ کے محلوں میں نکل کر گشت فرماتے اور جب کسی خادم اور مزدور کو ایسے کام میں پاتے-جس کی وہ طاقت نہ رکھتا ہو-تو اس کو اس کام سے

کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور اے محمد ﷺ ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے- سورۃ الانبیاء آیت نمبر (۱۰۷) اور حضور ﷺ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور اے محمد مہربان ہوں- سورۃ الحجر آیت (۵۴) اسی لئے حضور ﷺ کا ارشاد ہے جو اللہ کی مخلوق پر رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا- سنن ترمذی جلد (۲) صفحہ ۴۵۵- اور حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں- رسول اللہ ﷺ نے فرمایا- وہ ہم میں سے نہیں جس نے ہمارے چھوٹوں پر رحم نہیں کیا- اور بڑوں کی عزت نہیں کی- سنن ترمذی جلد باب فی رحمۃ الصبیان صفحہ (۴۵۶) حضرت عبداللہ بن عمرو فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا- سنن ترمذی جلد (۲) صفحہ (۴۵۶) ان آیات اور احادیث سے معلوم ہوا کہ مخلوق اور خصوصاً چھوٹے بچوں پر شفقت نرمی اور مہربانی کرنا قرآن وحدیث کی روشنی میں کتنا اہم ہے-

اب آتے ہیں نوعمری کی مشقت کے بارے میں، پہلی بات تو یہ ہے کہ اسلام نوعمری میں بچوں کی تعلیم وتربیت پر بڑا زور دیتا ہے- حضرت ابن عباس فرماتے ہیں- حضور نے فرمایا جس کے ہاں بیٹا پیدا ہو جائے، تو اسے چاہیے کہ اس کا اچھا سا نام رکھ دے اور اسے اچھی تعلیم وتربیت دے- اگر وہ بالغ ہو جائے تو اس کی شادی کرا دے- اور اگر وہ بالغ ہوا اور اس کی شادی نہیں کرائی اور اس سے کوئی گناہ سرزد ہوا- تو اس کا گناہ اس کے والد کے سر آن پڑے گا- مشکوٰۃ جلد نمبر ۲ صفحہ (۱۷۰) حضرت ابو سعید خدری فرماتے ہیں- حضور ﷺ نے فرمایا جس کی تین بیٹیاں ہوں یا تین بھائی ہوں- یا تین بہنیں ہوں- اور اس نے ان کی اچھی تعلیم وتربیت کی اور ان کے ساتھ احسان کیا تو وہ جنت میں داخل ہوگا- سنن ترمذی ابواب البر والصلۃ جلد (۲) صفحہ (۴۵۵)

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے- ﴿لا یکلف اللہ نفساً الا وسعہا﴾ اللہ تعالیٰ مکلّف پابند نہیں بناتا کسی جان کو- جس کی اسے طاقت نہ ہو- سورۃ البقرہ آیت ۲۸۶- اور مزید فرمایا اے ہمارے رب اور ہم پر ایسا بوجھ اور بار نہ ڈالئے- جس کی ہمیں طاقت نہ ہو- آیت ۲۸۶ سورۃ البقرۃ- یعنی اسلام کا اصول یہ ہے کہ کسی انسان پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالا جائے- بلکہ اللہ نے ہمیں دعا بھی بتلا دی کہ اللہ تعالیٰ سے بھی طاقت سے زیادہ مشقت اور بوجھ نہ ڈالنے کی دعا کریں- تو معلوم ہوا کہ جب عام انسانوں پر مشقت اور بوجھ ڈالنا اسلام میں ممنوع ہے- تو بچوں پر تو بطریق اولیٰ ممنوع ہے- اور اگر خدانخواستہ کوئی بچہ مجبوری کی وجہ سے کسی کا نوکر یا خادم ہو- تو اسلام نے اس کے ساتھ اچھا سلوک اور رحم دلی کی تعلیم دی ہے-

احادیث کی کتابوں میں مملوک، خادم، اور نوکر کے حقوق کے بارے میں ایک باب (موضوع) رکھا گیا ہے- ان میں سے چند احادیث پیش خدمت ہیں- حضرت علی فرماتے ہیں- وفات سے قبل حضور کا آخری کلام یہ تھا- نماز- نماز- یعنی نماز کی پابندی کرو- اور اپنے خادموں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو- یعنی ان کے حقوق کا خیال رکھو- سنن ابی داؤد جلد نمبر ۴ صفحہ ۳۴۶- حضرت ابوذر غفاری فرماتے ہیں- حضور سے میں نے سنا- آپ فرمارہے تھے- تمہارے نوکر اور خادم جن کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے ماتحت کر دیا ہے- پس جس کے ماتحت کوئی خادم ہو تو جو خود کھاتا ہے، اسے بھی کھلائے اور جو لباس خود پہنتا ہے، اسے پہنائے- اور ان پر ایسی مشقت مت ڈالے جو ان کو تکلیف دے- اور اگر بوجھ زیادہ ہو تو اس کی مدد کرے- ابوداؤد صفحہ (۳۴۷) کتاب الادب جلد نمبر (۲) اور ایک حدیث میں فرمایا- کہ اپنے مزدور اور خادم کو دن میں ستر مرتبہ معاف کیا کرو- ابوداؤد جلد (۲) صفحہ ۳۴۷ اور ایک حدیث میں یہ بھی ہے کہ جس نے اپنے خادم کو مارا یا اسے سزا دی تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ اسے آزاد کر دے- ابوداؤد کتاب الادب جلد (۲) صفحہ (۳۴۸) اس سے معلوم ہوا کہ اسلام میں خصوصاً بچوں سے مشقت لینا یا زیادہ بوجھ ڈالنا نہایت قابل مذمت ہے-

حضور ﷺ نے فرمایا- خادم اور نوکر کو اچھی طرح سے کھانا اور لباس دو- اور اس کو طاقت سے زیادہ کام کا پابند مت بناؤ (الحدیث) موطا امام مالک باب الرفق بالمملوک صفحہ (۷۳۰)

حضرت عمر اپنے دور خلافت میں ہر ہفتہ کے دن مدینہ منورہ کے محلوں میں نکل کر گشت فرماتے اور جب کسی خادم اور مزدور کو ایسے کام میں پاتے -- جس کی وہ طاقت نہ رکھتا ہو- تو اس کو اس کام سے

چھڑا دیتے تھے-موطاء امام مالک (صفحہ ۷۳۰)

بچوں کی پرورش کرنے، اچھی عادت سکھلانے اور مہذب بنانے کا دستور العمل

جاننا چاہیے کہ یہ امر بہت ہی خیال رکھنے کے قابل ہے- کیونکہ بچپن میں جو عادت بھلی یا بری پختہ ہو جاتی ہے- وہ عمر بھر نہیں جاتی - اس لئے بچپن سے جوان ہونے تک ان باتوں کا ترتیب وار ذکر کیا جاتا ہے-

(۱) نیک بخت دیندار عورت کا دودھ پلائیں- دودھ کا بڑا اثر ہوتا ہے-

(۲) عورتوں کی عادت ہے کہ بچوں کو کہیں سپاہی سے ڈراتی ہیں- کہیں اور ڈراونی چیزوں سے، یہ بری بات ہے- اس سے بچے کا دل بے حد کمزور ہو جاتا ہے-

(۳) اس دودھ پلانے کے لئے اور کھلانے کے لئے وقت مقرر رکھو- تاکہ وہ تندرست رہے-

(۴) اس کو صاف ستھرا رکھو، کیونکہ اس سے تندرستی رہتی ہے-

(۵) اس کا بہت زیادہ بناؤ سنگار نہ کرو-

(۶) اگر لڑکا ہو تو اس کے سر پر بال مت بڑھاؤ-

(۷) اگر لڑکی ہے اس کو جب تک پردہ میں بیٹھنے کی قابل نہ ہو جائے زیور مت پہناؤ- اس سے ایک تو ان کی جان کا خطرہ ہے- دوسرا بچپن ہی سے زیور کا شوق دل میں پیدا ہونا اچھا نہیں-

(۸) بچوں کے ہاتھ سے غریبوں کو کھانا، کپڑا، پیسے اور ایسی چیزیں دلوایا کرو- اسی طرح ان کے ہاتھوں کھانے پینے کی چیزیں ان کے بھائی بہنوں کو یا اور بچوں کو تقسیم کرایا کرو- تاکہ ان کو سخاوت کی عادت ہو- مگر یہ یاد رکھو کہ تم اپنی چیزیں ان کے ہاتھ سے دلوایا کرو- خود جو چیز انہی کی ہو (جس کے وہ مالک ہوں) اس کا دلوانا کسی کو درست نہیں-

(۹) زیادہ کھانے والوں کی برائی اس کے سامنے کیا کرو- مگر کسی کا نام لے کر نہیں بلکہ اس طرح کہ جو کوئی بہت کھاتا ہے- لوگ اس کو حبشی کہتے ہیں، اس کو بَیل سمجھتے ہیں-

(۱۰) اگر لڑکا ہو تو سفید کپڑے کی رغبت اس کے دل میں پیدا کرو اور رنگین اور تکلف کے لباس سے اس کو نفرت دلاؤ کہ ایسے کپڑے لڑکیاں پہنتی ہیں- تم ماشاءاللہ مرد ہو- ہمیشہ اس کے سامنے ایسی باتیں کیا کرو-

(۱۱) اگر لڑکی ہو جب بھی زیادہ مانگ چوٹی اور بہت تکلف کے کپڑوں کی عادت اس کو مت ڈالو-

(۱۲) اس کی سب ضدیں پوری مت کرو- کیونکہ اس سے مزاج بگڑ جاتا ہے-

(۱۳) چلا کر بولنے سے روکو- خاص کر اگر لڑکی ہو تو چلانے پر خوب ڈانٹو- ورنہ بڑی ہو کر وہی عادت پڑ جائے گی-

(۱۴) جن بچوں کی عادتیں خراب ہیں یا پڑھنے لکھنے سے بھاگتے ہیں یا تکلف کے کپڑے یا کھانے کے عادی ہیں- ان کے پاس بیٹھنے سے اور ان کے پاس کھیلنے سے ان کو بچاؤ-

(۱۵) ان باتوں سے ان کو نفرت دلاتے رہو- غصہ، جھوٹ بولنا، کسی کو دیکھ کر جلنا یا حرص کرنا، چوری، چغلی، اپنی بات کی پچ کرنا (منوانا) زیادہ ہنسنا، دھوکہ دینا، بھلی بری بات کو نہ سوچنا- اور جب ان باتوں میں سے کوئی بات ہو جائے فوراً اس پر تنبیہ کرو-

(۱۶) اگر کوئی چیز توڑ پھوڑ دے- یا کسی کو مار بیٹھے- تو مناسب سزا دو- تاکہ پھر ایسا نہ کرے- ایسی باتوں میں لاڈ پیار بچوں خراب کر دیتا ہے-

(۱۷) بہت جلدی مت سونے دو-

(۱۸) جلدی جاگنے کی عادت ڈالو-

(۱۹) جب سات برس کی عمر ہو جائے نماز کی عادت ڈالو-

(۲۰) جب مکتب میں جانے کے قابل ہو جائے پہلے قرآن پڑھاؤ-

(۲۱) مکتب میں جانے میں کبھی رعایت نہ کرو-

(۲۲) جہاں تک ہو سکے دیندار استاذ سے پڑھواؤ-

Scanned with CamScanner

(۲۳) کسی کسی وقت ان کو نیک لوگوں کی حکایتیں (قصے) سنایا کرو۔

(۲۴) ان کو ایسی کتابیں مت دو۔ جن میں عاشقی معشوقی کی باتیں یا شریعت کے خلاف مضمون ہو
اور بے ہودہ قصے یا غزلیں وغیرہ ہوں۔

(۲۵) ایسی کتابیں پڑھواؤ۔ جس میں دین کی باتیں اور دنیا کی ضروری کاروائی آجائے۔

(۲۶) مکتب سے آنے کے بعد کسی قدر دل بہلانے کے لئے اس کو کھیلنے کی اجازت دو، تاکہ اس
کی طبیعت اکتا نہ جائے۔ لیکن کھیل ایسا ہو۔ جس میں کوئی گناہ نہ ہو۔ جھوٹ بولنے کا اندیشہ نہ ہو۔

(۲۷) آتش بازی یا باجہ یا فضول چیزیں مول لینے کے لئے پیسہ مت دو۔

(۲۸) کھیل تماشہ دکھلانے کی عادت مت ڈالو۔

(۲۹) اولاد کو ضرور کوئی ایسا ہنر سکھلا دو۔ جس سے ضرورت اور مصیبت کے وقت چار پیسہ حاصل
کر کے اپنا اور اپنے بچوں کا گزارہ کر سکے۔

(۳۰) لڑکیوں کو اتنا لکھنا سکھلا دو۔ کہ ضروری خط اور گھر کا حساب کتاب لکھ سکیں۔

(۳۱) بچوں کو عادت ڈالو کہ اپنا کام اپنے ہاتھ سے کیا کریں۔ اپاہج اور سست نہ ہو جائیں۔ ان
سے کہو کہ رات کا بچھونا اپنے ہاتھ سے بچھائیں۔ صبح کو جلدی اٹھ کر تہہ کر کے احتیاط سے رکھ دیں۔
کپڑوں کی گٹھڑی اپنے انتظام میں رکھیں۔ پھٹا ہوا خود سی لیا کریں۔ کپڑے خواہ میلے ہوں
صاف ایسی جگہ رکھیں جہاں کیڑے، چوہے کا اندیشہ نہ ہو۔ دھوبن کو خود گن کر دیں اور لکھ لیں
گن کر لے لیں۔

(۳۲) لڑکیوں کو تاکید کرو کہ جو زیور تمہارے بدن پر ہے۔ رات کو سونے سے پہلے اور
اٹھو تو دیکھ بھال لیا کرو۔

(۳۳) لڑکیوں سے کہو کہ جو کام کھانے پکانے، سینے، پرونے، کپڑے رنگنے، کوئی چیز
میں ہوا کرے اس کو غور سے دیکھا کرو کہ کیسے ہو رہا ہے۔

(۳۴) جب بچے سے کوئی بات خوبی کی ظاہر ہو۔ اس پر خوب شاباشی دو، پیار کرو بلکہ

انعام دو، تاکہ اس کا دل بڑھے۔

اور جب اس کی بری بات دیکھو۔ تو تنہائی میں اس کو سمجھاؤ کہ دیکھو بری بات ہے۔ دیکھنے والے
دل میں کہتے ہوں گے اور جس جس کو معلوم ہوگا وہ کیا کہے گا۔ خبردار پھر آئندہ مت کرنا۔ اچھے
لڑکے ایسا نہیں کیا کرتے اور اگر پھر وہی کرے تو مناسب سزا دو۔

(۳۵) ماں کو چاہیے کہ بچہ کو باپ سے ڈراتی رہے۔

(۳۶) بچہ کو کوئی کام چھپا کر مت کرنے دو۔ کھیل ہو یا کھانا یا اور کوئی کام ہو جو کام چھپا کرے گا۔
سمجھ جاؤ کہ وہ اس کو برا سمجھتا ہے۔ سو اگر وہ برا ہے تو اس کو چھڑاؤ اور اگر اچھا ہے۔ جیسے کھانا پینا تو
اس سے کہو کہ سب کے سامنے کھائے پیے۔

(۳۷) کوئی کام محنت کا اس کے ذمہ مقرر کرو۔ جس سے صحت اور ہمت رہے۔ سستی نہ آنے پائے
۔ مثلاً لڑکوں کے لئے ڈنڈ کرنا (ہلکی ورزش کرنا) ایک آدھ میل چلنا (یا دوڑنا) اور لڑکیوں کے
لئے چکی یا چرخہ چلانا ضروری ہے۔

(۳۸) چلنے میں تاکید کرو کہ بہت جلدی نہ چلے۔ نگاہ اوپر اٹھا کر نہ چلے۔

(۳۹) اس کو عاجزی وانکساری اختیار کرنے کی عادت ڈالو۔ زبان سے چال سے، برتاؤ سے، شیخی
نہ بگھارنے پائے۔ یہاں تک کہ اپنے ہم عمر بچوں میں بیٹھ کر اپنے کپڑے یا مکان یا خاندان یا
کتاب و قلم و دوات تختی تک کی تعریف نہ کرنے پائے۔

(۴۰) کبھی کبھی اس کو دو چار پیسہ دے دیا کرو تاکہ اپنی مرضی کے موافق خرچ کیا کرے۔ مگر اس کی
یہ عادت ڈالو کہ کوئی چیز تم سے چھپا کر نہ خریدے۔

(۴۱) اس کو کھانے کا طریقہ اور محفل میں اٹھنے بیٹھنے کا طریقہ سکھلاؤ۔ امید ہے کہ اہل وعیال کی
تعلیم وتربیت کے متعلق یہ مضمون کافی ہو جائے گا۔

Scanned with CamScanner

انبیاء کرام کے نفوس مطمئنۃ ہوتے ہیں

مفتی ذاکر حسن نعمانی

نفس انسانی جو ایک لطیف بخاری جوہر ہے۔ حس میں زندگی، حس اور ارادی حرکات کی قوت پائی جاتی ہے۔ یہ نفس انسانی حقیقت میں ایک ہے۔ صفات کے لحاظ سے اس کی تین قسمیں بن جاتی ہیں۔ ہر قسم کی صفت عرض مفارق ہے۔ جو جدا ہو سکتی ہے۔

نفس امارہ ۔ جب نفس کا میلان بدنی طبیعت اور حیوانیت کی طرف ہو۔ ناجائز، رذیل اور حسی ناجائز شہوات کا داعی ہو۔ اور بار بار انسان کو برائیوں کا حکم دیتا ہے۔ یہ برے اخلاق اور شرور کا منبع ہوتا ہے۔ انسان کو اسفل السافلین تک لے جاتا ہے۔

(۲) نفس لوامہ ۔ نفس امارہ کے تقاضوں کو پورا کرنے سے قلب تاریک اور غافل ہو جاتا ہے۔ جب انسان نفس امارہ کے تقاضوں کو شریعت کی روشنی میں دباتا ہے تو دوسرے نمبر پر نفس لوامہ آ کر انسان کو اپنے گناہوں پر ملامت کرتا ہے۔ جس کے بعد قلب میں ندامت کی کیفیت پیدا ہونی شروع ہو جاتی ہے۔

(۳) نفس مطمئنۃ ۔ جب ندامت کے اندر پختگی پیدا ہو جائے تو آہستہ آہستہ قلب کا نورانی بن جاتا ہے۔ صفات ذمیمہ نکل جاتی ہیں۔ انسان اخلاق فاضلہ اور حمیدہ کے ساتھ آراستہ ہو جاتا ہے۔

الحاصل نفس طبعاً برائی کا حکم دیتا ہے۔ جب شرعی ریاضت اور محنت کے ساتھ اس کا تزکیہ ہو جائے تو مطمئن ہو جاتا ہے۔ اس درجہ میں انسان احکام الٰہیہ کا پابند ہو جاتا ہے۔ نیکی اور برائیوں سے بچنا اس کا ملکہ اور عادت بن جاتی ہے۔

نفس مطمئنۃ کا مصداق

اولیاء کرام گناہوں سے محفوظ ہوتے ہیں اور انبیاء کرام گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں۔ تمام انبیاء کرام کے نفوس مطمئنۃ ہوتے ہیں۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں۔ انبیاء کرام کے نفوس ہوتے ہیں۔ مطمئنۃ جن میں یوسف علیہ السلام کا نفس بھی داخل ہے۔

(بیان القرآن ج۱۱/۸۴)

مدارک میں ہے ان کل نفس لامارة بالسوء الا مارحم ربی الا نفساً رحمها الله بالعصمة کنفس یوسف ۔ یوسف علیہ السلام کا نفس نفس امارہ سے مستثنیٰ ہے۔ کیونکہ معصوم اور مطمئنۃ ہے۔ (تفسیر مدارک ۱/۶۱۱)

یوسف علیہ السلام نے فرمایا وما ابری نفسی ۔ آپ نے کسر نفسی کے لئے یہ کہا ہے۔ کیونکہ حکم ہے فلا تزکوا انفسکم سومت بیان کروا اپنی خوبیاں۔ ان النفس لامارة بالسوء سے یوسف علیہ السلام کا نفس مراد نہیں بلکہ جنس نفس مراد ہے۔

علامہ زمخشری فرماتے ہیں۔ اراد الجنس ای ان هذا الجنس یامر بالسوء ویحمل علیه بمافیه من الشهوات (الکشاف ۲/۴۸۰)

بعض مفسرین کہتے ہیں۔ ﴿وما ابری نفسی﴾ امرة العزیز (زلیخا) کا قول ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ عزیز مصر کا قول ہے۔ یعنی میں یوسف علیہ السلام پر بدگمانی سے اپنے نفس کو بری قرار نہیں دیتا۔

مولانا مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں۔ ہر نفس انسان اپنی ذات میں تو امارہ بالسوء یعنی برے کاموں کا تقاضہ کرنے والا ہے۔ لیکن جب انسان خدا اور آخرت کے خوف سے اس کے تقاضے کو پورا نہ کرے۔ تو اس کا نفس لوامہ بن جاتا ہے۔ یعنی برے کاموں پر ملامت کرنے والا اور ان سے توبہ کرنے والا جیسے عام صلحاء امت کے نفوس ہیں۔ اور جب کوئی انسان نفس کے خلاف مجاہدہ کرتے کرتے اپنے نفس کو اس حالت میں پہنچا دیتا ہے کہ برے کاموں کا تقاضا ہی اس سے نہ

Scanned with CamScanner

رہے تو وہ نفس مطمئنہ ہو جاتا ہے-صلحاء امت کو یہ حال مجاہدہ وریاضت سے حاصل ہوسکتا ہے-اور پھر اسی حالت کا ہمیشہ قائم رہنا یقینی نہیں ہوتا-اور انبیاء علیہم السلام کو خود بخود وعطاء خداوندی سے ایسا ہی نفس مطمئنہ بغیر کسی سابقہ مجاہدہ کے نصیب ہوتا ہے-اور وہ ہمیشہ اسی حالت پر رہتا ہے-(معارف القرآن ۱۵/۴ ۷۴-۷۵)

انبیاء کرام کے نفوس کیوں مطمئن ہیں-

انبیاء کرام نفس اور شیطان کے دخل سے اپنے تمام اعتقادات، نیات، ارادات، اخلاق وعادات، عبادات، معاملات، اقوال وافعال میں ہر وقت محفوظ رہتے ہیں-

دلائل عصمت - انبیاء کرام کی عصمت کے دلائل تو بہت ہیں-لیکن شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے عصمت کا سبب بیان کیا ہے-میرے خیال میں پھر عصمت کی کسی دلیل کے بیان کی ضرورت نہیں رہتی-فرماتے ہیں-والعصمة لها اسباب ثلاثة ان يخلق الانسان نقياً عن الشهوات الرذيلة سمحاً لا سيما فيما يرجع الى محافظة الحدود الشرعية وان يوحى اليه حسن الحسن وقبح القبيح وما لهما وان يحول الله بينه وبين ما يريد من الشهوات الرذيلة

عصمت کے تین اسباب ہیں-(۱) یہ کہ انسان ردی شہوات سے پاک صاف عالی ظرف اور شریف پیدا کیا گیا ہو-خاص کر ان باتوں میں جن کا تعلق حدود شرعیہ کی حفاظت سے ہو-(۲) اور یہ کہ اس کی طرف وحی کی جائے-اچھے کاموں کی اچھائی کی اور برے کاموں کی برائی کی-اور ان دونوں کے انجام کی- (۳) اور یہ کہ اللہ تعالی حائل ہو جائیں انسان کے درمیان اور ان رذیل خواہشات کے درمیان جس کا وہ ارادہ کرتا ہے-(حجۃ اللہ البالغۃ ص ۸۵)

(۱) انبیاء کرام کی اطاعت کا حکم ہے-اگر انبیاء معصوم نہ ہوں تو اطاعت فضول ہو جائے گی-اور غیر معصوم کی اطاعت کرنا ہوگی-

(۲) انبیاء کرام اوروں کا تزکیہ کرتے ہیں-یعنی دوسروں کے نفوس کو مطمئنہ بناتے ہیں-تو ان کے اپنے نفوس اعلی درجہ کے معصوم اور مطمئنہ ہوں گے-

(۳) کل من الصالحین -سب صالحین سے ہیں-

(۴) انه من عبادنا المخلصين

(۵) وانهم عندنا من المصطفين الاخيار

اور وہ سب ہمارے نزدیک ہیں چنے ہوئے نیک لوگوں میں-

(۶) يسارعون في الخيرات -وہ نیکیوں میں تیز رو ہیں-

(۷) اپنی اپنی امت کے لئے کامل اور اچھے نمونے ہوتے ہیں-غیر معصوم کامل اور اچھا نمونہ نہیں بن سکتا-

(۸) فرشتے معصوم ہیں-اور انبیاء کرام کا مقام ومرتبہ فرشتوں سے بڑا ہے-تو انبیاء کرام بطریق اولی معصوم ہوں گے-

نفس کی تینوں قسمیں امارہ، لوامہ، اور مطمئنہ ایک دوسرے سے الگ الگ ہیں-انبیاء کرام کے نفوس جب مطمئنہ ہوئے تو اب امارہ نہیں بن سکتے-کیونکہ دونوں قسموں کا آپس میں تضاد اور تقابل ہے-جب انبیاء کرام کو معصوم مان لیا تو ان کے نفوس کو مطمئنہ ماننا ضروری ہوگا-

اگر نبی کے نفس کو امارہ سمجھا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ نبی معصوم نہیں-اس لئے نبی کا نفس ہرگز امارہ اور لوامہ نہیں ہوسکتا-امارہ تو صرف برائی کا حکم دیتا ہے-اور نبی برائی سے محفوظ اور معصوم ہوتا ہے-اور لوامہ تو قبیح فعل کے ارتکاب کے بعد ملامت کرتا ہے-نبی سے تو قبیح فعل کا صدور نہیں ہوتا کہ اس کو ملامت کرے-معلوم ہوا نبی کا نفس مطمئنہ ہوتا ہے-

جب فرشتوں کے نفوس مطمئنہ ہیں تو انبیاء کرام کے نفوس کیسے مطمئنہ نہ ہوں گے جبکہ ان کا مقام فرشتوں سے بڑا ہے-ابن القیم نے کتاب الروح میں عنوان قائم کیا ہے-

ان النفس الامارة فی مقابلة النفس المطمئنة یعنی نفس امارہ نفس مطمئنة کی ضد ہے

Scanned with CamScanner

-جس کا حاصل یہ ہے کہ دونوں کے تقاضے متضاد ہیں-ضدین جمع نہیں ہوسکتے - جب نبی کا نفس مطمئنہ ہوا تو اب امارہ اور لوامہ کیسے بنے گا-

انبیاء کرام کی لغزشیں - انبیاء کرام کی لغزشوں اور خطاؤں کی حقیقت - ترک اولی-خلاف اولی اور اجتہادی خطاء ہے-جن کی وجہ سے اعتقاد عظمت اور محبت خداوندی میں غرق ہو کر بھول ہے- چونکہ ان کا مقام بلند ہوتا ہے-عنداللہ بہت مقرب اور مکرم ہوتے ہیں تو ان کی ان لغزشوں پر ظاہراً گناہ کا اطلاق ہوتا ہے-جس سے نادان لوگ دھوکہ میں پڑ جاتے ہیں-ہم اپنے چہیتے اور پیارے بیٹے کی صحیح و اعلی تربیت کی خاطر ان کی معمولی معمولی لغزشوں پر سخت سرزنش کرتے ہیں- حالانکہ اگر غور کیا جائے تو وہ بالکل غلطی نہیں ہوتی - نادان سمجھتا ہے-شاید اس کے بیٹے نے کوئی بہت بڑی غلطی کی ہے-

لیکن یاد رہے کہ انبیاء کرام سے ایسی لغزشوں کا صدور نفس امارہ کی وجہ سے نہیں ہوتا-جب ان کے نفوس مطمئنہ میں امارہ نہیں ہیں تو لغزش کے لئے سبب نفس امارہ کیسے ہوسکتا ہے-ان کی لغزشوں کی وجہ سھو نسیان اور بھول چوک ہے-اور بھول اور نسیان کی وجہ محبت خداوندی ہے-

گناہ تو وہ ہوتا ہے جب قصداً وعملاً نافرمانی کی جائے--جس میں نسیان اور غلطی نہ ہو اگر ہر خطا گناہ ہے تو لوگ ایک دوسرے کو معاف کیوں کرتے ہیں-قتل خطاء کا کیا مطلب ہے-قتل خطاء کی سزا دوزخ کیوں نہیں- آدمی جب خطاء کسی کو قتل کرتا ہے تو اس میں شیطان، نفس اور قصد کا دخل نہیں ہوتا-

ساری دنیا قتل خطا اور قصداً قتل میں فرق کرتی ہے-کسی انسان کے قتل خطا میں نفس امارہ کا دخل نہیں ہے-تو موسی علیہ السلام کے قتل، آدم علیہ السلام کے اکل شجرہ اور دیگر انبیاء کرام کی خطاؤں میں نفس امارہ کا دخل کہاں سے آ گیا- آدم علیہ السلام کے بارے میں صریح نص ہے کہ

فنسی ولم نجدله عزماً پھر بھول گیا اور نہ پائی ہم نے اس میں کچھ پختگی-

شیطان نے اللہ کے نام کی جھوٹی قسمیں کھائیں - خود کو ناصح ظاہر کر کے پھسلایا-

روزانہ کتنے ایکسیڈنٹ ہوتے ہیں-سب غلطیاں اور خطائیں ہیں-ان میں نفس امارہ اور شیطان کا دخل نہیں ہوتا-

جس شخص کو قرآن مجید پکا اور پختہ یاد ہو-خوب ملکہ حاصل ہو-تلاوت کرتے ہوئے کبھی بھول جاتا ہے-اس کی وجہ ہرگز یہ نہیں کہ اس کا حفظ قرآن کچا ہے- بلکہ باوجود پختگی اور بہترین ملکہ کے بھول ہوگئی-اسی طرح انبیاء کرام کے نفوس مطمئنہ ہیں-جب ان سے کوئی لغزش اور خطا سرزد ہوتی ہے تو اس کی وجہ نفس امارہ نہیں بلکہ بھول ہوتی ہے-

نفس امارہ والا جلدی توبہ نہیں کرتا - آدم علیہ السلام سے چوک ہوگئی تو فوراً گریہ زاری اور توبہ شروع ہوگئی-اللہ نے مقام بلند عطا کر دیا-

وعصى ادم ربه فغوى ثم اجتباه ربه فتاب عليه وهدى -

آدم نے اپنے پروردگار کی حکم عدولی کی- پس ان کی عیش مکدر ہوگئی پھر خدا نے ان کو برگزیدہ بنایا اور ان پر خاص توجہ فرمائی اور ان کی راہنمائی کی-

شاہ ولی اللہ نے عصمت کے جو تین اسباب بیان کئے ہیں تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کرام خلقتاً اور فطرۃ نفوس مطمئنہ لیکر آتے ہیں-بقیہ لوگ تو مجاہدات شرعیہ کے ساتھ نفس امارہ سے نفس مطمئنہ کی طرف سفر طے کرتے ہیں-کسی کا نفس کبھی امارہ ہوتا ہے-کبھی لوامہ کبھی مطمئنہ-کبھی مطمئنہ ہوتا ہے- پھر امارہ کی طرف لوٹ جاتا ہے- کیونکہ انبیاء کرام صرف ایسی ہستیاں ہیں جن کا خاتمہ بھی یقینی طور پر اچھا ہوتا ہے-روحانی مقامات میں ہمیشہ ترقی کرتے رہتے ہیں جبکہ انبیاء کے علاوہ لوگوں کے خاتمہ کا پتہ نہیں-ان کی روحانیت کبھی ترقی کرتی ہے-کبھی تنزل کر جاتی ہے-اسی لئے حدیث میں آتا ہے اعمال کا دارومدار خاتمہ پر ہے-اگر خاتمہ اچھے اعمال کے ساتھ ہوا تو جنتی ہے-اگر برے اعمال کے ساتھ ہوا تو دوزخی ہے-

بشری تقاضے پورا کرنا نفس امارہ کی وجہ سے نہیں-

ممکن ہے کسی کے ذہن میں یہ بات آئے کہ اگر انبیاء کرام کا نفس امارہ نہیں تو بشری

--جس کا حاصل یہ ہے کہ دونوں کے تقاضے متضاد ہیں-ضدین جمع نہیں ہوسکتے - جب نبی کا نفس مطمئنہ ہوا تو اب امارہ اور لوامہ کیسے بنے گا-

انبیاء کرام کی لغزشیں - انبیاء کرام کی لغزشوں اور خطاؤں کی حقیقت -ترک اولی-

خلاف اولی اور اجتہادی خطاء ہے--جن کی وجہ سے اعتقاد عظمت اور محبت خداوندی میں غرق ہوکر بھول ہے- چونکہ ان کا مقام بلند ہوتا ہے-عنداللہ بہت مقرب اور مکرم ہوتے ہیں تو ان کی ان لغزشوں پر ظاہراً گناہ کا اطلاق ہوتا ہے--جس سے نادان لوگ دھوکہ میں پڑ جاتے ہیں-ہم اپنے چہیتے اور پیارے بیٹے کی صحیح و اعلی تربیت کی خاطر ان کی معمولی معمولی لغزشوں پر سخت سرزنش کرتے ہیں- حالانکہ اگر غور کیا جائے تو وہ بالکل غلطی نہیں ہوتی - نادان سمجھتا ہے-شاید اس کے بیٹے نے کوئی بہت بڑی غلطی کی ہے-

لیکن یاد رہے کہ انبیاء کرام سے ایسی لغزشوں کا صدور نفس امارہ کی وجہ سے نہیں ہوتا- جب ان کے نفوس مطمئنہ میں امارہ نہیں ہیں تو لغزش کے لئے سبب نفس امارہ کیسے ہوسکتا ہے-ان کی لغزشوں کی وجہ سھو نسیان اور بھول چوک ہے-اور بھول اور نسیان کی وجہ محبت خداوندی ہے-

گناہ تو وہ ہوتا ہے جب قصداً و عملاً نافرمانی کی جائے--جس میں نسیان اور غلطی نہ ہو اگر ہر خطا گناہ ہے تو لوگ ایک دوسرے کو معاف کیوں کرتے ہیں-قتل خطاء کا کیا مطلب ہے-قتل خطاء کی سزا دوزخ کیوں نہیں- آدمی جب خطاء کسی کو قتل کرتا ہے تو اس میں شیطان، نفس اور قصد کا دخل نہیں ہوتا-

ساری دنیا قتل خطا اور قصداً قتل میں فرق کرتی ہے-کسی انسان کے قتل خطا میں نفس امارہ کا دخل نہیں ہے-تو موسی علیہ السلام کے قتل، آدم علیہ السلام کے اکل شجرہ اور دیگر انبیاء کرام کی خطاؤں میں نفس امارہ کا دخل کہاں سے آ گیا - آدم علیہ السلام کے بارے میں صریح نص ہے کہ

فنسی ولم نجدله عزماً پھر بھول گیا اور نہ پائی ہم نے اس میں کچھ پختگی-

شیطان نے اللہ کے نام کی جھوٹی قسمیں کھائیں - خود کو ناصح ظاہر کرکے پھسلایا-

روزانہ کتنے ایکسیڈنٹ ہوتے ہیں- سب غلطیاں اور خطائیں ہیں- ان میں نفس امارہ اور شیطان کا دخل نہیں ہوتا-

جس شخص کو قرآن مجید پکا اور پختہ یاد ہو- خوب ملکہ حاصل ہو- تلاوت کرتے ہوئے کبھی بھول جاتا ہے- اس کی وجہ ہرگز یہ نہیں کہ اس کا حفظ قرآن کچا ہے- بلکہ باوجود پختگی اور بہترین ملکہ کے بھول ہوگئی- اسی طرح انبیاء کرام کے نفوس مطمئنہ ہیں- جب ان سے کوئی لغزش اور خطا سرزد ہوتی ہے تو اس کی وجہ نفس امارہ نہیں بلکہ بھول ہوتی ہے-

نفس امارہ والا جلدی توبہ نہیں کرتا - آدم علیہ السلام سے چوک ہوگئی تو فوراً گریہ زاری اور توبہ شروع ہوگئی- اللہ نے مقام بلند عطا کردیا-

وعصى ادم ربه فغوى ثم اجتباه ربه فتاب عليه وهدى -

آدم نے اپنے پروردگار کی حکم عدولی کی - پس ان کی عیش مکدر ہوگئی پھر خدا نے ان کو برگزیدہ بنایا اور ان پر خاص توجہ فرمائی اور ان کی راہنمائی کی-

شاہ ولی اللہ نے عصمت کے جو تین اسباب بیان کئے ہیں تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کرام خلقتاً اور فطرۃ نفوس مطمئنہ لیکر آتے ہیں- بقیہ لوگ تو مجاہدات شرعیہ کے ساتھ نفس امارہ سے نفس مطمئنہ کی طرف سفر طے کرتے ہیں- کسی کا نفس کبھی امارہ ہوتا ہے-- کبھی لوامہ کبھی مطمئنہ - کبھی مطمئنہ ہوتا ہے- پھر امارہ کی طرف لوٹ جاتا ہے- کیونکہ انبیاء کرام صرف ایسی ہستیاں ہیں جن کا خاتمہ بھی یقینی طور پر اچھا ہوتا ہے- روحانی مقامات میں ہمیشہ ترقی کرتے رہتے ہیں جبکہ انبیاء کے علاوہ لوگوں کے خاتمہ کا پتہ نہیں- ان کی روحانیت کبھی ترقی کرتی ہے-- کبھی تنزل کر جاتی ہے- اسی لئے حدیث میں آتا ہے اعمال کا دارومدار خاتمہ پر ہے- اگر خاتمہ اچھے اعمال کے ساتھ ہوا تو جنتی ہے- اگر برے اعمال کے ساتھ ہوا تو دوزخی ہے-

بشری تقاضے پورا کرنا نفس امارہ کی وجہ سے نہیں-

ممکن ہے کسی کے ذہن میں یہ بات آئے کہ اگر انبیاء کرام کا نفس امارہ نہیں تو بشری

Scanned with CamScanner

تقاضے کیسے پورا کرتے ہیں-بشری تقاضے اگر صحیح اور جائز طور پر پورے کیے جائیں تو یہ نفس مطمئنہ کے ساتھ بھی ہوسکتا ہے-نفس امارہ تو برائی کا حکم دیتا ہے-بشری تقاضے غلط طریقوں سے خلاف شرع پورے کرواتا ہے-شادی کی جگہ زنا پر لگوادیتا ہے-حلال کمائی کی بجائے حرام کمائی پر لگوادیتا ہے-اگر ہر بشری تقاضہ کے پورا کرنے کے ئے نفس امارہ ہے-تو اللہ نے بشری تقاضے پورا کرنے کے لئے ڈھیر سارے ضابطے کیوں عطا کیے-شادی، کھانا، پینا، اوڑھنا، چلنا پھرنا وغیرہ کے ضابطے موجود ہیں-کیا یہ سارے ضابطے نفس امارہ کی تسکین کے لئے دیے ہیں-ہر گز نہیں بلکہ یہ تقاضے تو نفس مطمئنہ والوں کے اندر بھی موجود ہوتے ہیں-تمام انبیاء کرام اور اولیاء کرام یہ بشری تقاضے پورا کرتے ہیں-بلکہ انبیاء کرام تو ان بشری تقاضوں کے پورا کرنے میں امت کے راہنما بھی ہوتے ہیں-اگر بشری تقاضہ پورا کرنا نفس امارہ کی وجہ سے ہوتا تو اللہ نے ان کا پورا کرنے کا ہمیں حکم کیوں دیا-کیا عیاذ أباللہ اللہ ہم سے نفس امارہ کے تقاضے پورے کرواتا ہے۔ نفس امارہ کی تو مذمت آئی ہے-نفس امارہ صرف اپنے برے اور خلاف شرع تقاضے پورا کرواتا ہے-

بعض لوگوں کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مناظرہ سے دھوکہ لگتا ہے کہ شاید اس کا نفس پہلے امارہ تھا-پھر آہستہ آہستہ مطمئنہ کی طرف اس نے سفر کیا-ابراہیم علیہ السلام پیغمبر ہیں-آپ کے بارے میں قرآن مجید میں کئی مقامات پر مذکور ہے-ما کان من المشرکین نہ نبوت سے پہلے کبھی شرک کیا نہ بعد میں-نہ ستارہ پرست تھے-نہ چاند پرست اور نہ سورج پرست تھے- و کذالک نری ابراھیم ملکوت السموات والارض اور اسی طرح ہم دکھانے لگے- ابراہیم کو عجائبات آسمان وزمین اور تا کہ اس کو یقین آوے-کذلک سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شروع ہی سے توحید پرست تھے-علامہ بشیر احمد عثمانی فرماتے ہیں-ابراہیم علیہ السلام کا ھذا ربی کہنا تو استفہام انکاری کے لہجہ میں ہے یعنی کیا یہ ہے رب میرا؟ اور یا بطریق تھکم و تبکیت ہے- یعنی یہ ہے رب میرا تمہارے عقیدہ اور گمان کے موافق (تفسیر عثمانی صفحہ ۱۷۷)

اور ولیکون من المؤقنین کا یہ مطلب نہیں کہ اب نفس مطمئنہ ہوا اور یقین آ گیا ان کا نفس پہلے سے مطمئنہ تھا-اس لئے کہ مسلمان تھا-ہاں حق الیقین کے اعلی درجات ان پر ظاہر ہو گئے- نبی کے روحانی کمالات تو ہر آن بڑھتے ہیں- کذلک نری ابراھیم میں اللہ تعالی نے اپنی طرف نسبت کی ہے کہ ہم نے آسمانی عجائبات دکھلائے ہیں-کیا اللہ نے یہ عجائبات اس لئے دکھلائے کہ حضرت ابراہیم شرک کریں-ہر گز نہیں-اللہ تعالی تو ہر انسان کو توحید کی طرف دعوت دیتے ہیں ۔حضرت ابراہیم علیہا السلام کو کیسے شرک کی طرف دعوت دی- آسمانوں کی طرف دیکھ کر غور وفکر مناظرہ تھا-یہ حضرت ابراہیم کی نظر نہ تھی-بعد کے رکوع میں ہے-تلک حجتنا اتینا ھا ابراھیم -یعنی ہم نے ابراہیم کو یہ حجت دی-یہ کیسی حجت تھی کہ حضرت ابراہیم ھذا ربی کہہ کر عیاذ أباللہ شرک کر رہے ہیں-مناظرہ جیتنے کے لئے حجت اور دلیل عطا کی تھی-ھذا ربی کا مطلب وہی ہے جو علامہ بشیر احمد عثمانی نے بیان کیا ہے-

السلام علیکم

مسلمان کی رنجش کا خاتمہ

السلام علیکم ہے-

(ارشاد نبویؐ)

Scanned with CamScanner

علوم وفنون میں معقولات کی ضرورت واہمیت

شیخ القرآن والحدیث مولانا حمد اللہ جان داجوی
ناقل ومرتب مفتی ذاکر حسن نعمانی

شیخ القرآن والحدیث مولانا حمد اللہ جان داجوی، مولانا عبدالحکیم راجویؒ کے فرزند ہیں۔ مولانا عبدالحکیم دارالعلوم دیوبند میں حضرت علامہ سید انور شاہ کشمیریؒ صاحب کے ہم درس اور حضرت شیخ الہند کے شاگرد تھے۔ علامہ شمس الحق افغانی، مولانا عبدالرحمٰن کاملپوری، صدر مدرس مظاہر العلوم سہارنپور، استاذ الکل مولانا حبیب اللہ زروبوی، مولانا عبدالحکیمؒ کے شاگرد تھے۔ مولانا حمد اللہ جان صاحب کے مشہور اساتذہ میں مولانا حبیب اللہ زروبوی ہیں۔ کچھ عرصہ سہارنپور مظاہر العلوم میں پڑھا۔ دورہ حدیث حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ سے پڑھا۔ ساٹھ سال سے زائد عرصہ فنون، تفسیر اور حدیث کا درس دیا۔ اب بھی فنون کی تدریس کے ساتھ تنہا دورہ حدیث پڑھاتے ہیں۔ علمی رسوخ انتہائی مضبوط ہیں۔ معقولات پر حاوی ہیں۔ آپ علمی حلقہ میں جامع المعقول والمنقول کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ علوم وفنون میں معقولات کی اہمیت کسی پر مخفی نہیں۔ دورہ تدریب المعلمین کے موقع پر موصوف کو اس موضوع پر گفتگو کی زحمت دی گئی۔ جامعہ کی درخواست پر لبیک کہہ کر موضوع پر اظہار خیال فرمایا جو پیش خدمت ہے۔

الحمد اللہ و کفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی اما بعد

فاعوذ باللہ ...... قل هل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون o

میں نے قرآن پاک کی مختصر آیت تلاوت فرمائی۔ اس میں اللہ تعالیٰ علم کی فضیلت اور اہمیت ذکر فرماتے ہیں۔

لیکن علم کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) علم منقول (۲) علم معقول

علم منقول است طریق اتقیاء　　　علم معقول است طریق اشقیاء

علم منقول مرد رابندہ کند　　　علم معقول مرد راگندہ کند

علم منقول اتقیاء کا طریقہ ہے۔ معقول علم منقول کے خلاف ہو تو یہ اشقیاء کا طریقہ ہے۔ منقول علم انسان کو انسانیت سکھاتا ہے۔ معقول علم آدمی کو گندا کر دیتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ معقولات کی انتہائی ضرورت ہے۔ علامہ عراقی نے آیت ﴿ومن یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیراً کثیراً﴾ کے ذیل میں لکھا ہے کہ حکمت میں منطق بھی داخل ہے۔ وسماہ معیار العلوم ۔ اور اس کو علوم کا معیار قرار دیا ہے۔ اس لئے کہ اگر کسی آدمی کو استدلال کا طریقہ معلوم نہ ہو۔ صغری۔ کبری۔ حد اوسط۔ حد اکبر۔ حد اصغر نہ جانتا ہو۔ تو ایسا آدمی اپنے مدعا کے لئے کیسے دلیل قائم کرے گا۔ جب سے دنیا آباد ہے۔ اس وقت سے معقولات کے فن کی ضرورت ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اس کے مروج طریقے جدا جدا ہوں۔ اصل چیز معقولات اور استدلال کی اپنی جگہ جو اہمیت اور ضرورت ہے۔ وہ یقینی ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ابلیس نے سب سے پہلے قیاس کیا تھا لیکن ابلیس کا قیاس نص کے مقابلہ میں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو حکم دیا کہ حضرت آدم علیہ السلام کی طرف سجدہ تعظیمی کرو۔ لیکن شیطان نے جواباً کہا۔ انا خیر منہ خلقتنی من نار و خلقتہ من طین ۔ اس کا دعویٰ تھا کہ میں حضرت آدم علیہ السلام سے بہتر ہوں اور دلیل یہ پیش کی کہ خلقتنی من نار و خلقتہ من طین ۔ میں آگ سے پیدا ہوا ہوں اور یہ مٹی سے۔ النار نورانی والطین ظلمانی ۔ والنورانی اشرف والظلمانی اخس ۔ آگ نورانی ہے۔ مٹی ظلمانی ہے۔ نورانی اشرف ہوتا ہے اور ظلمانی اخس ہوتا ہے۔

والمخلوق من الاشرف اشرف ومن الاخس اخس ۔ جو اشرف سے پیدا ہو۔ وہ اشرف ہوتا ہے اور جو اخس سے پیدا ہو وہ اخس ہوتا ہے۔

والامر بالسجدۃ للاشرف الی الاخس خال عن قانون الحکمۃ ۔ اشرف کو اخس کی طرف سجدہ کرنے کا حکم دینا حکمت کے قانون کی خلاف ورزی ہے۔

تو شیطان نے نص کے خلاف ایک عقلی قیاس پیش کیا جس کی وجہ سے دربار خداوندی سے دھتکارا

Scanned with CamScanner

گیا-

ہمارے فقہاء اور اصولیین کا قیاس نص سے مستنبط ہوتا ہے-ان کے قیاس کے لئے قرآن،حدیث اور اجماع میں کوئی سند اور ماخذ ہوتا ہے-شیطان اور فقہاء کے قیاس میں فرق ہے-ان کو ایک دوسرے پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے-

قرآن مجید میں بھی قیاسات موجود ہیں-شرطی قیاس بھی ہے-حملی قیاس بھی ہے-ارشاد باری ہے-یہ یہود ونصاری کہتے ہیں کہ جنت تو بس ہماری ہے-اللہ نے ان کے قول کی قیاسی طریقہ سے تردید فرمائی ہے-﴿اے یہود ونصاری اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ جنت کے مستحق صرف ہم ہیں تو فتمنوا الموت موت کی آرزو کرو-﴾اس میں مقدم بھی ہے-تالی بھی ہے-اللہ ارشاد فرماتا ہے-﴿ولن یتمنوہ ابدا﴾ اس میں بطلان تالی کی طرف اشارہ ہے-کہ ان کی تمنا بالموت باطل ہے-﴿وما ھو بمزحزحہ﴾ سے بطلان تالی کی دلیل ہے-یہ لوگ تو چاہتے ہیں کہ ہزار سال عمر ہو-ارشاد باری ہے-﴿ولو علم اللہ فیھم خیراً لاسمعھم ولو اسمعھم لتولوا وھم معرضون ٥ اس میں اول صغری ہے-اور بعد والا جملہ کبری ہے-لیکن نتیجہ صحیح نہیں آرہا-لاقروا اور وھم مقرون چاہیے تھا-مصدقون ہوتا تو بات صحیح ہوتی-لیکن یہاں ایک قید مراد ہے- وقد علم ان لا خیر فیھم -اس کو معلوم تھا کہ ان میں خیر نہیں تو کبری مقید ہوا اور حد اوسط کا تکرار نہ آیا-حالانکہ قیاس میں حد اوسط کا تکرار ضروری ہے-

احادیث میں بھی قیاسات کے نمونے موجود ہیں=﴿الصدق یھدی الی الرشد والرشد یھدی الی الجنۃ﴾ صدق ہدایت کی طرف راہنمائی کرتا ہے-اور رشد جنت کی طرف ہدایت کرتا ہے-جس کا نتیجہ نکلے گا-الصدق یھدی الی الجنۃ -صدق جنت کی طرف راہنمائی کرتا ہے-الصدق یھدی الی البر ، والبر یھدی الی الجنۃ – فالصدق یھدی الی الجنۃ – نتیجہ ہے-اسی طرح اس حدیث میں بھی صغری، کبری اور نتیجہ ہے- الکذب یھدی الی الفجور – والفجور یھدی الی النار نتیجہ نکلے گا-فالکذب یھدی الی النار

اسی طرح احادیث میں نظر دوڑائیں تو اس طرح کا بہت مواد موجود ہے-ایک حدیث میں آیا-الصوم نصف الصبر ، والصبر نصف الایمان – الصبر نصف نصف الایمان کو صغری بناؤ-کبری مطوی ہوگا-ونصف النصف الربع -نتیجہ ہوگا فالصوم ربع الایمان -یہ قیاس مساوات ہے-قیاس مساوات تابع ہوتا ہے-مقدمہ اجنبیہ کا-اگر مقدمہ اجنبیہ صادق ہو تو قیاس اور نتیجہ صادق اور ثابت ہوگا-اگر مقدمہ اجنبیہ کاذب ہو تو قیاس بھی کاذب ہوگا-حدیث میں ہے-ان اخاصداء قداذن ومن اذن فھو یقیم – ان اخاصداء شخصیہ ہے اور صغری من اذن فھو یقیم کبری ہے-نتیجہ یہ نکلے گا کہ ان اخاصداء یقیم کہ اقامت اخاءصداء کرے گا-ایک حدیث میں آتا ہے﴿لن تدخلوا الجنۃ حتی تؤمنوا ولن تومنوا حتی تحابوا﴾

میں جب افغانستان کے جامعہ فاروقیہ میں دورہ حدیث پڑھاتا تھا تو حدیث میں جب یہ آیا تو مجھ سے ایک طالب علم نے پوچھا کہ شکل اول میں تو ایجاب صغری شرط ہوتا ہے-اور کلیت کبری-حالانکہ یہاں تو دونوں سالبے ہیں-میں نے کہا کہ شکل اول کے لئے یہ شرط لزوم انتاج کے لئے ہے-کہ لازماً نتیجہ اس وقت نکلے گا کہ صغری موجبہ ہو اور کبری کلیہ ہو-اس لئے مناطقہ بعض اوقات مثالیں ذکر کرتے ہیں-تو کبھی نتیجہ صحیح نکلتا ہے کبھی غلط-یہ مطلب نہیں کہ بالکل منتج نہ ہوگا-منتج تو ہوگا لیکن نتیجہ لازم نہیں-اگر معقول منقول کے خلاف ہے-تو آدمی کو گندہ کر دیتا ہے-

فلسفی گوید ز معقولات خود
انبیاء گویند ز منقولات خود

فلسفی معقول باتیں کرتا ہے-اور انبیاء کرام منقول باتیں کرتے ہیں-

فلسفی که منکر حنانه است
از حواس انبیاء بیگانه است

فلسفی اسطوانہ کے گریہ اور فریاد کا منکر ہے-یہ جماد اور بے حس ہے-یہ کیسے روئے گا-کیسے اظہار غم

کرے گا-ان چیزوں کا تعلق تو روح کے ساتھ ہے-ایسا فلسفی یہ بات نہیں جانتا کہ یہ باتیں فوق العادت ہیں-اور امور خارقہ للعادت ہیں-تمام معجزات اور کرامات عادت کے خلاف ہیں-

ہماری عقائد کی کتابوں میں پہلا ۔ ہے کہ والعالم بجمیع اجزائه محدث -عالم اپنے تمام اجزاء کے ساتھ حادث ہے-بعض فلاسفہ کہتے ہیں کہ افلاک قدیم ہیں-هیولی قدیم ہے-زمانہ قدیم ہے-یہ تو شریعت کے ساتھ متصادم باتیں ہیں-ایسا عقیدہ رکھنے والا یقیناً غلطی پر ہے-

اسی طرح فلاسفہ کہتے ہیں کہ واحد سے واحد کا صدور ہوتا ہے-پھر فلاسفہ نے اس پر اپنی ایک غلط بات کی بنیاد رکھی ہے کہ واجب عقل اوّل کے لئے مصدر ہے-یعنی واجب تعالی سے اولاً عقل اول کا صدور ہوا-عقل اول میں دو جہتیں ہیں-ایک وجوب غیری اور دوسرا امکان ذاتی-ایک اعتبار سے مصدر ہے-عقل ثانی کے لئے اور دوسرے اعتبار سے مصدر ہے-فلک اول کے لئے-پھر عقل ثانی میں دو جہتیں ہیں-اس طرح یہ سلسلہ عقل فعال تک پہنچا-پھر عقل فعال کام کرتی ہے-اسکے اپنے ارتباطات ہیں-اگر کوئی سوال کرے کہ عقل فعال کیا ہے-اس سے متعدد چیزوں کا صدور کیسا ہوتا ہے-کیونکہ عقل فعال سے متعدد کا صدور بھی تو فلاسفہ کے قاعدہ کے خلاف ہے کہ واحد سے صرف واحد کا صدور ہوتا ہے-ہمارے ایک استاذ صاحب نے فرمایا کہ اس کی ایسی مثال ہے کہ ایک صاحب سے کسی نے پوچھا آپ کا دایاں کان کونسا ہے تو اس نے بڑی تکلیف کے ساتھ اپنے ہاتھ کو سامنے کی طرف سے لے جا کر سر کے پیچھے کی طرف سے گھما کر دائیں کان کو پکڑا-ان سے پوچھا گیا کہ آپ تو اپنے دائیں کان کو بڑی آسانی کے ساتھ پکڑ سکتے ہیں-ہاتھ کو اتنی مشکل کے ساتھ گھمانے کی ضرورت کیا تھی-تو کہا-پھر نور محمد کی تحقیق کیا ہوئی عقل فعال سے متعدد اشیاء کے صدور کیلئے جو تاویلات اور توجیہات کریں گے تو وہ واجب تعالی کے لئے کیوں نہیں کرتے-

حیثیات کی رعایت واجب تعالی میں بھی کرو-لیکن حیثیات نکالنے کی بھی کوئی تک ہوتی ہے-ایک بھائی نے دوسرے بھائی کو ماں کی گالی دی تو دوسرے نے کہا یہ تو ہم دونوں کی ماں ہے؟ آپ اپنی ماں کو گالی دیتے ہیں-تو اس نے کہا کہ میں نے اس حیثیت سے گالی نہیں دی کہ میری ماں ہے بلکہ اس حیثیت سے گالی دی کہ تیری ماں ہے-

تو ہر جگہ عقل اور معقول سے کام نہیں لینا-اس لئے کہ عقل ہر جگہ کام نہیں دیتی بلکہ منقول کی راہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے-

طلباء کرام بھی عجیب لوگ ہوتے ہیں-ایک طالب علم ایک تیلی کے پاس گیا-اس کے کولہو کے بیل کے گلے میں جرس بندھا تھا-طالب علم نے پوچھا اس کے گلے میں یہ جرس کیوں باندھا ہے-اس نے کہا کہ چھوڑو یہ باتیں-طالب علم نے کہا کہ نہیں اس کی لم (وجہ) کیا ہے-تیلے نے کہا لم یہ ہے کہ بیل جب گھومتا ہے تو یہ گھنٹی مسلسل بجتی ہے-تو جرس کی آواز سے مجھے پتہ چلتا ہے-کہ بیل گھوم رہا ہے-جب جرس کی آواز بند ہو جاتی ہے تو میں فوراً جان لیتا ہوں کہ بیل نے گھومنا چھوڑ دیا ہے-طالب علم منطقی تھا اس نے کہا کہ یہ لازم مساوی تو نہیں-لازم اعم ہے ممکن ہے بیل اپنی جگہ کھڑا رہے-اور سر ہلاتا رہے تو گھنٹی کی آواز بھی آتی رہے گی-آپ سمجھیں گے کہ ملزوم (گھومنا) موجود ہے-حالانکہ لازم اعم ہونے کی وجہ سے موجود ہے-اور ملزوم (گھومنا) نہیں ہے-طالب علم نے کہا کہ یہ لازم مساوی تو نہیں کہ انتفاء ملزوم کے ساتھ انتفاء لازم بھی آئے-بلکہ لازم اعم ہے جس میں انتفاء ملزوم کے ساتھ انتفاء لازم نہیں آتا-

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ایک طالب علم کا واقعہ لکھا ہے-باپ نے اس سے پوچھا کہ کونسا علم حاصل کیا تو اس نے کہا ایسا علم حاصل کیا جس سے مخفی باتیں معلوم کرتا ہوں-اس کا باپ بھی عالم تھا اپنی مٹھی میں تسبیح کا ایک دانہ چھپا کر پوچھا بولو میرے ہاتھ میں کیا ہے؟ بیٹے نے کہا گول سی چیز ہے-اور اس کے بیچ میں سوراخ ہے-باپ نے کہا کہ کیا تو بیٹے نے کہا کہ چکی کا پاٹ ہے-باپ نے کہا بے وقوف چکی کا پاٹ مٹھی میں آ سکتا ہے-کسی ایسی چیز کا نام لو جو مٹھی میں تو آ سکتی ہو-یک من علم راده من عقل -ایک من علم کے لئے دس من عقل درکار ہوتی ہے-جس کی عقل ایک چھٹانک بھی نہ ہو تو اس کا علم کار آمد اور مفید نہیں ہوتا-

سرے سے ضرورت نہیں-

منطق تو علوم کے لئے معیار ہے- بغیر منطق کے تو علمی سفر مشکل ہے- ہمارے علاقہ کے ایک بزرگ عالم تھے- فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے زمانے میں منطق سے نابلد اور غیر آشنا علمی میدان میں نابالغ ہوتا ہے- جس کو اتنا پتہ نہ ہو کہ صغری کیا ہے- کبری کیا ہے- حد اوسط کیا ہے-

ہمارے استاذ شیخ الحدیث مولانا مفتی محمد فرید صاحب کے والد صاحب مولانا حبیب اللہ صاحب سے ایک طالب علم نے پوچھا کہ ان فنون کی کتابوں کی کیا ضرورت ہے- علم قرآن اور علم حدیث کافی ہے مولانا حبیب اللہ زروبوی صاحب کی باتیں سادہ قسم کی ہوتی تھیں- سائل سے کہا نماز فرض ہے- اس نے کہا ہاں- فرمایا دلیل کیا ہے- سائل نے کہا اقیمو الصلوۃ - حضرت نے فرمایا اس کا تو مطلب ہے نماز قائم کرو- مجھے نماز کی فرضیت کی دلیل بتلاؤ تاکہ پتہ چل جائے کہ نماز فرض ہے- سائل طالب علم نے کہا کہ حضرت یہ امر کا صیغہ ہے- اور امر سے فرضیت اور وجوب معلوم ہوتا ہے- حضرت نے کہا کہ آپ نے کیسے جان لیا کہ یہ صیغہ امر ہے- طالب علم نے کہا کہ علم الصرف سے- تو حضرت نے کہا دیکھو علم الصرف کی ضرورت آ گئی- الامر للوجوب کو علم اصول کے ذریعہ جانو گے- علم اصول کی بھی ضرورت آ گئی- اب آگے قیاس کی ضرورت آئے گی -صغری، کبری بناؤ گی- الصلاۃ فریضۃ لانہ مامور بھا- و کل مامور بھا فریضۃ، فالصلاۃ فریضۃ -منطق کی بھی ضرورت آ گئی- صرف استعمال اس کا صحیح ہونا چاہیے- گھر میں آدمی دیوار پھلانگ کر داخل ہو تو لوگ کہیں گے- چور ہے، غلط فہمی پیدا ہو گی-

میں نے ایک تفسیر کے حاشیہ پر لکھا ہوا دیکھا کہ فرعون اور موسی علیہ السلام کے درمیان مکالمہ ہوا- فرعون نے کہا وما رب العلمین -موسی علیہ السلام نے جواب میں اللہ کی صفات بیان کرنا شروع کر دیں- فرعون نے کہا موسی تو مجنون ہے- محشی لکھتا ہے کہ فرعون نے موسی علیہ السلام کو مجنون اس لئے کہا کہ فرعون نے لفظ ﴿ماء﴾ کے ذریعہ پوچھا تھا یعنی ما حقیقیہ کہ اللہ کی حقیقت بتلاؤ- یعنی فرعون کی مراد تصور بالکنہ تھی- اور موسی علیہ السلام نے جب اللہ کی صفات کا

تذکرہ کیا تو یہ تصور بالوجہ تھا- میں نے سوچا کہ فرعون نے کب سلم العلوم پڑھی تھی- کہ ان کو یہ مسئلہ معلوم تھا کہ امھات المطالب اربع - کہ ایک ما شارحہ ہوتا ہے- اور ایک ما حقیقیہ ہوتا ہے- فرعون کو ما شارحہ اور ما حقیقہ کا کیا علم تھا- اور موسی علیہ السلام کو نہ تھا- اسی طرح کی تفسیر سے تو فرعون کا مقام بلند کر دیا کیا فرعون بھی قاضی اور سلم العلوم پڑھا ہوا تھا- اور ما حقیقہ اور ما شارحہ کو جانتا تھا- ما حقیقہ کے جواب میں حقیقت بیان کرنا ہو گی- یعنی کنہہ بیان کرنا ہو گی اور ما شارحہ کے جواب میں وجہ بیان کرو گے- انسان کے ساتھ عقل منجی (نجات دینے والی) ہونی چاہیے کفار کے پاس عقل منجیہ نہیں تھی-

عقل آن باشد کہ بکشاید رھے

راہ آن باشد کہ بکشاید شھہ

عقل وہ ہے جو آدمی کو آخرت کا راستہ بتلائے- اور راہ وہ ہے جو آدمی کو آخرت کی بادشاہی تک لے جائے- کفار بے عقل تھے- کیونکہ ان کی عقل پر فائدہ مرتب نہیں ہوتا تھا- تو قرآن کا قاعدہ ہے کہ جس چیز پر نفع مرتب نہ ہو اس کی نفی کی جاتی ہے- صم بکم عمی -کفار گونگے، بہرے اور اندھے نہ تھے- یعنی ان کے یہ حواس ان کے لئے آخرت کے اعتبار سے مفید ثابت نہ ہوئے- اس لئے ان سے ان حواس کی نفی کی گئی- ہماری عقائد کی کتابوں میں اول حدوث عالم کا ذکر ہوتا ہے- پھر اثبات جز لا یتجزی کرتے ہیں- اثبات ھیولی کرتے ہیں- ھیولی اور صورت کا تلازم ثابت کرتے ہیں- پھر ان کے اپنے الہیات ہیں اور ہمارے اپنے الہیات ہیں- ان کی الہیات جدا ہیں- ہماری الہیات جدا ہیں- اس طرح علم کلام اور فلسفہ کے مابین خلط گیا- اس لئے کہتے ہیں کہ من تکلم تذندق - زندیقی کا امکان اس لئے ہوتا کہ اس کے علم کلام کا خلط فلسفہ کے ساتھ ہوا ہے-

مامون الرشید علم دوست تھا- اس نے فلسفہ کی تمام کتابیں منگوائیں اور مترجمین کے حوالہ کر دیں- عربی میں ان کا ترجمہ کروا دیا- جس کی وجہ سے علم کلام کے ساتھ فلسفہ کا خلط پیدا ہو گیا- ایک

Scanned with CamScanner

صاحب سے کسی نے پوچھا کہ عقول عشرہ کے بارے میں کیا خیال ہے- اس نے کہا کہ عقول عشرہ قدیم ہیں- سائل نے کہا کہ کس کے نزدیک اس نے کہا ہمارے نزدیک- سائل نے کہا آپ کب سے کافر ہو گئے ہیں- عقول عشرہ کو کس نے قدیم کہا ہے- یہ تو فلاسفہ کا قول اور عقیدہ ہے- اقلیدس میں ایک شکل ہے- اس کا نام ہے شکل مامونی- یہ شکل مامون کو پسند آئی تو درزی سے کہا کہ میری قباء اور قمیص کی آستینوں پر یہ شکل بنانا ہو گی- اسلئے اس کو شکل مامونی کہتے ہیں-

منطق اور فلسفہ و حکمت میں جو غلط مسائل ہیں- ان کو ہم بھی غلط کہتے ہیں- اس لئے کہ شریعت کے خلاف ہیں- ورنہ تو معقولی باتیں ہیں- اور عقل فضول نہیں- شریعت میں اس کا بڑا اعتبار ہے- افلا تعقلون - افلا تذکرون - الا یتدبرون - تو منطق اور استدلال کی ضرورت تو آفرینش عالم سے ہے- اللہ تک رسائی کے لئے ہر ایک کے لئے کچھ نہ کچھ استدلال کرنا پڑتا ہے- تو اگر منطق فی نفسہ اور بالکلیہ بری اور غلط چیز ہے- تو ہر انسان اللہ تک پہنچنے کے لئے کائنات میں غور اور تدبر کیسے کرے گا- اسی غور و تدبر کے طریقے منطق میں مذکور ہے- کوئی عقل مند یہ نہیں کہہ سکتا کہ آسمان خود بخود بنا ہے- زمین خود بخود بن گئی ہے- کیونکہ دنیا کی کوئی چیز خود بخود نہیں بنی- بلکہ اس کا صانع اور موجد ہوتا ہے- اور پھر صانع اور موجد کیلئے کچھ صفات بھی ضروری ہیں- اس لئے کہ ایجاد تو وہی کرے گا جو اچھی اور اعلیٰ صفات کا مالک ہو-

هیچ چیزے خود بخود چیزے نه شد
هیچ آهن خود بخود تیغ نه شد

کوئی چیز خود بخود نہیں بنتی - کوئی لوہا خود بخود تلوار نہیں بنتا- لوہار کے پاس لے جاؤ گے وہ لوہے کو گرم کرے گا- کوٹے گا- پھر تلوار بنا کر تیز کرے گا-

برگ درختان سبز در نظر هوشیار
هر ورق دفتر معرفت کردگار

سبز درختوں کا ہر پتہ اللہ کی معرفت کا دفتر ہے- لیکن ہوشیار اور عقل مند آدمی کی نظر میں کم عقل اور

بے وقوف پر ان چیزوں سے اللہ کی معرفت کے دروازے نہیں کھلتے-

اگر صدباب حکمت پیش نادان
بخوانی آیتش بازیچ درگشت

اگر کسی نادان اور بے وقوف کے سامنے حکمت کے سینکڑوں ابواب سنائے جائیں- وہ ان کو باغ، باغیچہ اور کھیل وغیرہ سمجھے گا- اس لئے اللہ قرآن مجید میں فرماتے ہیں- ان فی ذالک لذکری لاولی الالباب - کبھی لقوم یتفکرون آتا ہے- یتفکرون اور یعقلون کے صیغے آتے ہیں-

اللہ جب قرآن میں اہم مضامین بیان کرتا ہے تو وہ عقل مندوں کے لئے ہوتے ہیں- عقل مند، عقل ہی کو استعمال کرے گا- اگر معقولی ہوا تو عقل زیادہ استعمال کرے گا- زیادہ معرفت حاصل ہو گی- امام رازیؒ کو جو معرفت حاصل تھی وہ عام آدمی کو کہاں حاصل ہوتی ہے- اس لئے کہ امام رازیؒ معقولات کا امام تھا-

لہذا منطق نہ مطلقاً اچھا علم ہے نہ مطلقاً برا علم ہے- اگر شرعی قوانین کے ساتھ متصادم ہے تو برا ہے- اگر شرعیات کے ساتھ اس کا تصادم اور تضاد نہیں تو پھر منطق ضروریات کے اندر داخل ہے- باقی درس نظامی کا تقرر علماء کرام نے بڑی سوچ سمجھ کے ساتھ کیا تھا- اس میں ایک خاص برکت ہے- اس کے پڑھ لینے کے بعد آدمی میں ایک خاص قسم کی اچھی اور اعلیٰ استعداد پیدا ہو جاتی ہے- پھر تمام علوم و فنون کی ہر کتاب کا مطالعہ اور فہم آسان ہو جاتا ہے- لیکن ان علوم و فنون اور معقولات کو بغیر استاذ کے نہیں پڑھنا چاہیے- ورنہ نتائج خطرناک ہوں گے- من اخذ العلوم بغیر شیخ یضل عن صراط مستقیم - جو بغیر استاد کے علوم حاصل کرے گا- صراط مستقیم سے بھٹک جائے گا-

هر آن کارے که بے استاذ باشد
یقین میدان که بے بنیاد باشد

Scanned with CamScanner

جوکام بغیر استاذ کے ہوگا وہ بے بنیاد ہوگا - ڈرائیونگ، نجاری، لوہاری وغیرہ بغیر استاذ کے نہیں سیکھی جا سکتی - ہمارے شیخ اور استاذ مولانا محمد زکریاؒ کبھی درس میں بعض سبق آموز باتیں لطائف کی شکل میں بیان کرتے تھے - فرمایا ایک شخص نے کہا کہ میں فارسی سیکھنا چاہتا ہوں - لیکن استاذ سے نہیں پڑھتا - کسی کے سامنے زانوے تلمذ تہہ نہیں کرتا - فارسی زبان کی لغات کا مطالعہ کیا کرتا تھا - کافی عرصہ محنت کی - پھر کہنے لگا میں فارسی خواں بھی ہوں اور فارسی دان بھی - اسکے سامنے فارسی کا ایک شعر آیا -

سعدی که گوئے بلاغت ربود

درزماں ابوبکر بن سعد بود

سعدی ابوبکر بن سعدی کے زمانہ میں بلاغت کی گیند کو آگے لے گئے - یعنی بہت بڑھ گئے - تو یہ شخص کہنے لگا کہ سعدی کو تو جانتا ہوں کہ ایک شاعر گزرا ہے - گوئے گیند کو کہتے ہیں - بلا ایک مصیبت ہے لیکن غت ربود کو نہیں جانتا - بلاغت سے غت کو جدا کر کے ربود کے ساتھ ملا دیا - یہ تھی بغیر استاذ کے فارسی - تو استاذ کے بغیر کوئی فن سیکھنا خطرے سے خالی نہیں ہوتا - ایک صاحب تھے - وہ کئی سالوں سے جمعۃ المبارک کے دن سر نہیں منڈھاتے تھے - کیونکہ حضورؐ نے جمعہ کے دن حلق یعنی سر منڈھانے سے منع کیا ہے - حالانکہ حکم یہ ہے کہ حلق نہ بناؤ - حلق حلقة کی جمع ہے - مسجد میں جمعہ کے دن جا بجا حلقے نہ بناؤ - بلکہ صف میں بیٹھ کر متوجہ رہو -

ایک صاحب نے حدیث دیکھی - من استجر فلیوتر - یعنی استنجاء کے ڈھیلوں میں طاق عدد سے کام لو - لیکن اس صاحب نے یہ مطلب لیا کہ جو استنجاء کرے تو پھر وتر پڑھے - چنانچہ وہ ایسا ہی کیا کرتا تھا -

ایک صاحب نے اردو کی حدیث پڑھی - نماز ہلکی کر کے پڑھو - وہ نماز میں ہلتے تھے اور کہتے کہ حدیث میں ہے کہ ہل کر نماز پڑھو - بغیر استاذ کے ایسا ہی علم ہوتا ہے - رواہ مسلم کا ترجمہ کرتا ہے روایت کیا ایک مسلمان نے حالانکہ مسلم سے حدیث کی کتاب مسلم شریف مراد ہے -

علماء کہتے ہیں کہ علم کی مثال میت کی ہے - اس کی طلب حیات کے ساتھ آئے گی - پھر علم کے اندر قوت مطالعہ سے آئے گی - قوت کے بعد غیر مکشوف ہے - اس کا کشف ہوگا تدریس اور مناظرہ کے ساتھ ہوتا - مولوی ساری ساری رات مطالعہ کرتا ہے - خود ہی سوال کرتا ہے - خود ہی جواب دیتا ہے - طالب علم پوچھے یا نہ پوچھے لیکن استاذ کے ساتھ فکر ہوتی ہے -

ایک بڑی عمر کا آدمی تھا - قاعدہ پڑھتا تھا - غشاوة میں اس کا سبق تھا - اس سے کسی نے کہا فلاں جگہ بڑے مولوی صاحب ہیں - اس سے جا کر پڑھو - جب مولوی صاحب نے کہا کہ کیا پڑھتے ہو - تو اس نے کہا کہ غشاوۃ - مولوی صاحب سمجھا کہ غشاوۃ کوئی کتاب ہوگی - کبھی نام بھی نہیں سنا تھا - بڑا پریشان ہوا کہ یہ منتہی طالب علم ہے اس کو کیا اور کیسے پڑھاؤں گا - کتاب بھی نہ دیکھی ہے - نہ اس کے بارے میں سنا ہے - بے چارہ ساری رات سوچتا رہا - آخر کار ایک اور بڑے مولوی صاحب کے ہاں بھیج دیا کہ یہ غشـــاوـــة پڑھتا ہے - اس کو پڑھا دو - اس مولوی صاحب نے بھی سوچا کہ غشـــاوـــة کیا کتاب ہے - نہ دیکھی ہے - نہ اس کے بارے میں کبھی سنا ہے - آخر فیصلہ کیا - چلو کتاب تو دیکھ لیں گے - آخر اس میں بسم اللہ ہوگی - حمد ہوگی - تو کتاب کی نوعیت معلوم کر لوں گا - جب صبح وہ سامنے آیا تو پڑھنا شروع کیا - غین زیر غی ، شین زبر الف شا، واؤ زبر وا تا دو پیش تن غشاوۃ - مولوی صاحب نے کہا تیرا بیڑا غرق ہو - میرا خیال تھا کہ غشـــاوۃ کوئی بڑی معتبر کتاب ہوگی - تو استاذ کے ساتھ فکر ہوتی ہے - مطالعہ کرتا ہے تو علم کا کشف مطالعہ اور تدریس سے ہے - پھر کشف کے بعد علم غیر منتج ہوتا ہے - نتیجہ عمل اور اخلاص سے نکلے گا - اخلاص والا عمل ہوگا تو ثمر آور اور نافع علم ہوگا - جس میں نجات ہے - العلم بلا عمل عقیم والعمل بلا علم سقیم و کلاهما طریق مستقیم - علم بلا عمل کے بھانجھ ہے - اور عمل علم کے بغیر مریض ہے - اور علم و عمل دونوں صراط مستقیم ہیں -

Scanned with CamScanner

عصری تقاضے اور علم فقہ کی تدریس

مفتی غلام الرحمٰن

جامعہ عثمانیہ میں تدریب المعلمین پروگرام میں اپنے موضوع پر حضرت مفتی غلام الرحمٰن صاحب نے جو بیان فرمایا۔ افادہ کی خاطر نذر قارئین ہے۔ (ادارہ العصر)

علم فقہ وہ بنیادی علم ہے جو انسان کی نجی زندگی سے لے کر معاشرتی مسائل اور عائلی حالات میں رہبری و رہنمائی کرتا ہے۔ انسانی فضیلت کا راز اس میں ہے کہ وہ کارخانہ عالم کی تعمیر وترقی میں اپنا فعال کردار ادا کرے۔ حوادثات زمانہ اور حالات کی تبدیلی کے باوجود انسانی عظمت کا امین علم فقہ ہے کیونکہ معاشرت اور ثقافت کے حوالے سے کرہ ارض پر جو تبدیلی رونما ہوتی ہے اس کے باوجود اسلامی تشخص کا تحفظ علم فقہ کے ذریعہ ممکن ہے۔ یہی وہ ادراک ہے جس کے ذریعہ نت نئے مسائل کا حل ڈھونڈا جاتا ہے۔ قرآن وحدیث کی عظمت کا اقرار ایمان کا جزو ہے ان دونوں کے بعد علم فقہ کو چھوڑ کر دوسرے علم کو سینہ سے لگانا یقیناً ناشکری اور علمی کی بے قدری ہوگی۔ کسی صاحب ذوق نے فقہاء اور محدثین کے درمیاں کتنا حسین موازنہ قائم کرکے کہا ہے کہ محدثین کرام حضرت رسول اللہ ﷺ کے اقوال، افعال، احوال اور تقریرات چن چن کر ترتیب سے رکھتے ہیں۔ جیسا کہ پنساری بڑی محنت اور عرق ریزی سے جڑی بوٹیاں چن چن کر لاتا اور دکان میں سجاتا ہے۔ مانتے ہیں کہ پنساری ان جڑی بوٹیوں کے بارے میں وافر معلومات رکھتا ہے ان کی خوبیوں سے آگاہ بھی ہے، ان کی کمیت وکیفیت اور اثرات سے آگاہی پنساری کا متاع ہے۔ لیکن بے چارہ کسی بیمار پر آزمانے کے ادراک سے نابلد ہے۔ اس کے لئے حکیم صاحب کے ذوق اور تجربے کی ضرورت ہے بلکہ پنساری کی دکان کی رعنائیاں حضرت حکیم صاحب کے طب سے وابستہ ہیں۔ جب حکیم کی توجہ ہٹ جائے۔ تو پنساری کی زرق وبرق روشنیاں اور قمقمے ماند پڑ جاتے ہیں۔ گویا محدثین پنساری اور فقہاء اطباء کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں۔ کیا خوب ہو کہ حکیم اور پنساری کے معلومات ایک شخص کے پاس جمع ہوں۔ چنانچہ سیدنا امام بخاریؒ پر کسی بدعتی

کا ہی اعتماد نہیں ہو سکتا ہے۔ حالانکہ وہ فقیہ بھی تھے اور محدث بھی۔

سیدنا امام ابوحنیفہؒ فقہ کی عظمت سے آگاہ تھے۔ اس لئے آپؒ نے علم فقہ کو جس نظر سے دیکھا اور جو تعریف کی وہ علم فقہ کی جامعیت کا بین ثبوت ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ علم فقہ "معرفة النفس مالها وما عليها" سے عبارت ہے۔ یعنی انسان کی دنیا وآخرت میں منافع اور مضرات سے آگاہی کا نام علم فقہ ہے۔ اور یہی وہ حقیقت ہے، جو حضرت ابن عباسؓ کے لئے زبان رسالت سے نکلی ہوئی دعا "اللهمّ فقههُ فی الدّین" میں دکھائی دے رہی ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کی تعریف کی روشنی میں آپ کو علم فقہ میں ایک طرف شرعیات کے مسائل ملیں گے تو دوسری طرف عقائد کے مسائل سے بھی اس کی کتابیں معمور نظر آئیں گی۔ ایسا ہی تصوف کے مسائل بھی آپ فقیہ کی زبان سے سنیں گے۔ چنانچہ اس حقیقت کا عملی مشاہدہ آپ "الفقہ الاکبر" میں کر سکتے ہیں۔ جہاں فقہ کی وسعت عیاں ہے۔ جب سے علم فلسفہ وحکمت کی کتابیں مسلمانوں میں مترجم ہو کر آئیں۔ تو یہ ضروری ٹھہرا کہ علم عقائد پر مستقل توجہ دی جائے۔ تاکہ فلاسفہ کے بے بنیاد عقائد کا جواب دیا جا سکے۔ اس لئے علم فقہ مستقل فن کی حیثیت اختیار کرکے دوسرے علوم سے جدا ہوا۔ ایسا ہی تصوف بھی خاص لوگوں کی توجہات کا مرکز بن کر مستقل طور پر معاشرے میں مروج ہوا۔ اس سے علم فقہ کی حقیقت میں اختصار پیدا ہو کر متاخرین کے دور میں صرف شرعیات تک محدود رہا۔ چنانچہ متاخرین کے نزدیک علم فقہ کی حقیقت بہت محدود ہو کر رہ گئی ہے۔ چنانچہ اس کی تعریف میں کہا جاتا ہے۔ "هوا العلمُ بالاحكامِ الشرعيةِ العمليةِ عن ادلتها التفصيلية"

آج ہماری فقہ کی سرگرمیاں اور کارکردگی اس تعریف کی روشنی میں جاری ہیں۔ چنانچہ آپ دیکھتے ہیں کہ علم فقہ کی کتابوں میں تصوف کے مسائل کا تذکرہ ملتا ہے اور نہ عقائد کے مسائل بیان ہوتے ہیں لا یہ کہ ضمنی طور پر کوئی تذکرہ ہو۔ چاہیے تھا کہ ہم اس مجلس میں فقہ حنفی کی بجائے فقہ اسلامی پر توجہ مرکوز رکھتے۔ تاکہ دوسرے مذاہب سے آگاہی حاصل ہوتی لیکن ان شاء اللہ کسی دوسری مجلس میں اس ضرورت کو پوری کرنے کی کوشش کریں گے۔ اس وقت فقہ حنفی ہی اس بحث کا موضوع

Scanned with CamScanner

ہے۔

درس نظامی کے حوالے سے فقہ کی تجزیاتی رپورٹ:۔

درس نظامی کے طلبہ وفاق المدارس کے مقررہ نصاب کے حوالے سے مندرجہ ذیل کتابیں پڑھتے ہیں

بہشتی زیور	درجہ متوسطہ
شروط الصلوٰۃ، نورالایضاح	درجہ اولی
قدوری	درجہ ثانیہ
کنز الدقائق	درجہ ثالثہ
شرح الوقایہ	درجہ رابعہ
ھدایہ حصہ اول	درجہ خامسہ
ھدایہ حصہ دوم	درجہ سادسہ
ھدایہ ثالث ورابع	درجہ سابعہ

اس کے علاوہ درجہ سابعہ میں مشکوٰۃ المصابیح اور دورہ حدیث میں صحاح ستہ کے حوالے سے درس حدیث میں ہمارے ہاں فقہی ذوق غالب ہے۔یعنی ہم احادیث پڑھاتے وقت سندیا متن پر توجہ دینے کی بجائے فقہ پر زیادہ توجہ دیتے ہیں۔دوران سبق اگر کوئی طالب علم شریک ہو جائے شاید وہ فرق کرنے سے قاصر رہے کہ کیا یہ احادیث کا درس ہے یا فقہ کی کوئی کتاب پڑھائی جارہی ہے۔تاہم ان کتابوں کو سامنے رکھتے ہوئے درس نظامی کے نصاب کا مجموعی جائزہ لیا جائے تو پھر بھی فقہ ہمارے درس کا لازمی حصہ ہے سات سال تک باقاعدگی سے ہفتہ میں چھ گھنٹے علم فقہ کے لئے مختص ہیں اور آٹھواں سال یومیہ دو گھنٹوں کا حساب کر کے ہفتہ میں بارہ پیریڈ علم فقہ کے لئے ہیں پھر آخری سال تو یہی مباحث دہرائے جاتے ہیں۔اگر یہ کہا جائے شاید غلط نہ ہو کہ ہمارے نظام تدریس میں سب سے زیادہ توجہ علم فقہ پر دی جارہی ہے دوسرے علوم کا

دورانیہ بہت مختصر ہے۔پھر علم فقہ کے ساتھ اگر علم اصول کو لیا جائے تو درجہ ثالثہ سے شروع ہو کر درجہ سادسہ تک مستقل چار سال علم اصول فقہ پڑھایا جاتا ہے۔اور اگر آپ حضرات اصول فقہ کی مروجہ کتب یعنی

اصول الشاشی

نورالانوار

حسامی

توضیح وتلویح

کا جائزہ لیں تو مؤخر الذکر کتاب کے علاوہ پہلی تین کتابوں کی تدوین فقہی انداز پر ہے یعنی ان کتابوں میں اصول پر فقہی مسائل کی تفریع ہوئی ہے۔البتہ آخری کتاب تلویح وتوضیح پر متکلمانہ رنگ غالب ہے گویا اصول فقہ میں بھی نصف سے زیادہ توجہ فقہ پر دی جاتی ہے۔میرا مقصد یہ ہے کہ اگر انداز تدریس پر توجہ دیں تو تعلیم دورانیہ میں ہمارے پاس سب سے زیادہ وقت علم فقہ کے لئے ہے۔

فقہی مباحث کا اجمالی جائزہ:۔

مضامین کے حوالے سے ہماری فقہ کی کتابیں تین قسم کے مسائل پر مشتمل ہیں گویا سات سالوں میں ہم صرف تین قسم کے مسائل دہراتے رہتے ہیں۔جو مندرجہ ذیل ہیں

(ا)عبادات

(ب)عائلی زندگی

(ج)معاشرتی مسائل

(ا)عبادات:۔

اس حصہ میں بنیادی طور پر تہذیب النفس کے مسائل منظور نظر ہوتے ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں

(ا)صلوٰۃ:۔اس کے لئے طہارت کے مسائل بھی مقدمہ کے طور پر پڑھائے جاتے ہیں۔

Scanned with CamScanner

(۲) زکوٰۃ

(۳) صوم

(۴) حج

(ب) عائلی زندگی:۔انفرادی اصلاح کے بعد فقہ کے دوسرے حصہ میں وہ مسائل شروع ہوتے ہیں جن کا تعلق خاندان سے ہوتا ہے چونکہ میاں بیوی خاندانی نظام کی اکائیاں ہیں اور دونوں کے باہمی معاہدہ یعنی نکاح سے خاندان معرض وجود میں آتا ہے ۔یہی اسلام کی خوبی اور اسلامی تہذیب وثقافت کا شعار ہے ۔اس لئے خاندانی نظام میں پائیداری اور استحکام کے لئے ایک مستقل نظام کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ گھریلو زندگی میں ہر ایک کو اپنے فرائض کا احساس اور حقوق کا ادراک ہو۔ظاہر ہے کہ ہر ایک فرد جب اپنے فرائض اور حقوق کا خیال رکھے گا تو خاندانی نظام درست رہے گا۔ایک چھت کے نیچے رہنے والے افراد میاں بیوی اور اولاد سکون واطمینان کی زندگی بسر کریں گے عائلی زندگی کے اہم مسائل مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) نکاح اور اس کے متعلقہ مسائل محرمات کی فہرست،نکاح کے تقاضے اور شرائط،حق مہر اور نظام رضاعت (۲) طلاق یعنی بوقت ضرورت معاہدہ (نکاح) کے خاتمے کا طریقہ کار،طلاق اور اس کی قسمیں ایسا ہی خلع،ظہار،ایلاء،اور لعان کے مسائل اور جدائی کے موقع پر عدت کے مسائل۔

(۳) اولاد کے بارے میں والدین کی ذمہ داریاں ''نفقہ،حضانت اور ثبوت نسب وغیرہ۔

(۴) عتاق:۔ایام ماضیہ کے حوالے سے تو پوری زندگی میں لونڈیوں کا بھی خاص کردار تھا اس لئے فقہاء کرام اعتاق،استیلاد اور تدبیر کے مسائل بھی خاندانی نظام کے حوالے سے ذکر کرتے ہیں۔

(۵) الایمان:۔خاندانی نظام میں ایک دوسرے کو اعتماد دلانے کے لئے فقہاء کرام یمین یعنی قسم کی جملہ قسمیں اور کفارہ کا تذکرہ بھی اس عنوان کے ذیل لاتے ہیں۔

عائلی زندگی اور حدود کا تذکرہ:۔

فقہ کے اس حصہ میں حدود یعنی حدزنا،حدسرقہ،حدشرب خمر اور حدقذف کا تذکرہ کرنے

سے بظاہر یہ شبہ ہوتا ہے کہ حدود کا تذکرہ نظام قضاء کے حوالہ سے زیادہ مناسب تھا لیکن اس کے باوجود عائلی نظام کے ضمن میں اس کے تذکرہ کی وجہ کیا ہے؟

میرے خیال میں یہ اسلامی ثقافت کے حوالے سے حمیت اور غیرت کا اثر ہے کہ خاندانی نظام متاثر کرنے والے عوامل کے تدارک اور سدباب کے لئے حدود کا تذکرہ اس کے ضمن میں ضروری ہے۔مزید برآں اس حقیقت سے بھی انکار ممکن نہیں کہ خاندانی نظام میں نسب،مال،عزت عقل اور نظریہ کا تحفظ ضروری امر ہے۔عائلی زندگی میں سکون واطمینان تب پیدا ہوتا ہے جب یہ پانچ چیزیں محفوظ ہوں۔اسلئے اسلام نے نسب کے تحفظ کے لئے حد زنا،مال کے تحفظ کے لئے حد سرقہ،عزت کے تحفظ کے لئے حد قذف،عقل کے تحفظ کے لئے حد شرب خمر اور نظریہ کے تحفظ کے لئے حد ارتداد مقرر کر کے عائلی زندگی کو قابل اطمینان بنانے کی کوشش کی۔اس لئے فقہاء کرام نے ان امور کا ذکر عائلی زندگی کے ضمن میں ضروری سمجھا۔ایسا ہی اس نظام کے تحفظ کے لئے پھر کتاب السیر کا تذکرہ بھی اس کے ساتھ ہوتا ہے تاکہ امن کی زندگی کے قیام کے لئے جہاد کا جذبہ پیدا ہو اور جو بھی امن کی زندگی کو بے اطمینانی کی فضا میں تبدیل کرنے کی کوشش کرے اس کے ساتھ آہنی ہاتھوں سے نمٹا جائے۔

چاہیے تھا کہ تحفظ نفس کے لئے قصاص ودیت کے مباحث کا تذکرہ بھی یہاں ہوتا لیکن ہماری فقہ کی کتابوں میں عموماً قصاص ودیت اور اس سے ملحقہ مسائل وصیت کا تذکرہ سب سے آخر میں ''کتاب الجنایات'' کے عنوان سے ہوتا ہے شاید زندگی کے آخری پیغام ہونے کی وجہ سے فقہاء نے مباحث کا خاتمہ اس سے موزون سمجھا ورنہ مناسب جگہ یہی تھی۔

معاشرتی مسائل:۔

علم فقہ کا تیسرا اہم حصہ معاشرتی مسائل ہیں یعنی زندگی کا وہ حصہ جس میں انسان گھریلو زندگی میں فعالیت پیدا کرنے کے لئے معاشرہ کی راہ لیتا ہے بیرون خانہ قدم رکھتے ہی سوسائٹی اور معاشرہ کے کچھ تقاضے سامنے آتے ہیں۔انسان معاشرہ میں رہ کر کچھ لو اور کچھ دو کے

Scanned with CamScanner

(۲) زکوٰۃ

(۳) صوم

(۴) حج

(ب) عائلی زندگی:۔ انفرادی اصلاح کے بعد فقہ کے دوسرے حصہ میں وہ مسائل شروع ہوتے ہیں جن کا تعلق خاندان سے ہوتا ہے چونکہ میاں بیوی خاندانی نظام کی اکائیاں ہیں اور دونوں کے باہمی معاہدہ یعنی نکاح سے خاندان معرض وجود میں آتا ہے ۔یہی اسلام کی خوبی اور اسلامی تہذیب وثقافت کا شعار ہے ۔اس لئے خاندانی نظام میں پائیداری اور استحکام کے لئے ایک مستقل نظام کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ گھریلو زندگی میں ہر ایک کو اپنے فرائض کا احساس اور حقوق کا ادراک ہو۔ظاہر ہے کہ ہر ایک فرد جب اپنے فرائض اور حقوق کا خیال رکھے گا تو خاندانی نظام درست رہے گا۔ایک چھت کے نیچے رہنے والے افراد میاں بیوی اور اولاد سکون واطمینان کی زندگی بسر کریں گے عائلی زندگی کے اہم مسائل مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) نکاح اور اس کے متعلقہ مسائل محرمات کی فہرست، نکاح کے تقاضے اور شرائط، حق مہر اور نظام رضاعت (۲) طلاق یعنی بوقت ضرورت معاہدہ (نکاح) کے خاتمے کا طریقہ کار، طلاق اور اس کی قسمیں ایسا ہی خلع ،ظہار، ایلاء، اور لعان کے مسائل اور جدائی کے موقع پر عدت کے مسائل۔

(۳) اولاد کے بارے میں والدین کی ذمہ داریاں "نفقہ، حضانت اور ثبوت نسب وغیرہ۔

(۴) عتاق:۔ ایام ماضیہ کے حوالے سے تو پوری زندگی میں لونڈیوں کا بھی خاص کردار تھا اس لئے فقہاء کرام اعتاق، استیلاد اور تدبیر کے مسائل بھی خاندانی نظام کے حوالے سے ذکر کرتے ہیں۔

(۵) الایمان:۔ خاندانی نظام میں ایک دوسرے کو اعتماد دلانے کے لئے فقہاء کرام یمین یعنی قسم کی جملہ قسمیں اور کفارہ کا تذکرہ بھی اس عنوان کے ذیل لاتے ہیں۔

عائلی زندگی اور حدود کا تذکرہ:۔

فقہ کے اس حصہ میں حدود یعنی حدزنا، حدسرقہ، حدشرب خمر اور حدقذف کا تذکرہ کرتے

ہیں بظاہر یہ شبہ ہوتا ہے کہ حدود کا تذکرہ نظام قضاء کے حوالہ سے زیادہ مناسب تھا لیکن اس کے باوجود عائلی نظام کے ضمن میں اس کے تذکرہ کی وجہ کیا ہے؟

میرے خیال میں یہ اسلامی ثقافت کے حوالے سے حمیت اور غیرت کا اثر ہے کہ خاندانی نظام متاثر کرنے والے عوامل کے تدارک اور سدباب کے لئے حدود کا تذکرہ اس کے ضمن میں ضروری ہے۔مزید برآں اس حقیقت سے بھی انکار ممکن نہیں کہ خاندانی نظام میں نسب، مال، عزت عقل اور نظریہ کا تحفظ ضروری امر ہے۔عائلی زندگی میں سکون واطمینان تب پیدا ہوتا ہے جب یہ پانچ چیزیں محفوظ ہوں۔اسلئے اسلام نے نسب کے تحفظ کے لئے حدزنا، مال کے تحفظ کے لئے حد سرقہ، عزت کے تحفظ کے لئے حدقذف، عقل کے تحفظ کے لئے حدشرب خمر اور نظریہ کے تحفظ کے لئے حدارتداد مقرر کرکے عائلی زندگی کو قابل اطمینان بنانے کی کوشش کی۔اس لئے فقہاء کرام نے ان امور کا ذکر عائلی زندگی کے ضمن میں ضروری سمجھا۔ایسا ہی اس نظام کے تحفظ کے لئے پھر کتاب السیر کا تذکرہ بھی اس کے ساتھ ہوتا ہے تاکہ امن کی زندگی کے قیام کے لئے جہاد کا جذبہ پیدا ہو اور جو بھی امن کی زندگی کو بے اطمینان کی فضا میں تبدیل کرنے کی کوشش کرے اس کے ساتھ آہنی ہاتھوں سے نمٹا جائے۔

چاہیے تھا کہ تحفظ نفس کے لئے قصاص ودیت کے مباحث کا تذکرہ بھی یہاں ہوتا لیکن ہماری فقہ کی کتابوں میں عموماً قصاص ودیت اور اس سے ملحقہ مسائل وصیت کا تذکرہ سب سے آخر میں "کتاب الجنایات" کے عنوان سے ہوتا ہے شاید زندگی کے آخری پیغام ہونے کی وجہ سے فقہاء نے مباحث کا خاتمہ اس سے موزون سمجھا ورنہ مناسب جگہ یہی تھی۔

معاشرتی مسائل:۔

علم فقہ کا تیسرا اہم حصہ معاشرتی مسائل ہیں یعنی زندگی کا وہ حصہ جس میں انسان گھریلو زندگی میں فعالیت پیدا کرنے کے لئے معاشرہ کی راہ لیتا ہے بیرون خانہ قدم رکھتے ہی سوسائٹی اور معاشرہ کے کچھ تقاضے سامنے آتے ہیں۔انسان معاشرہ میں رہ کر کچھ لو اور کچھ دو کے

Scanned with CamScanner

اصول پر اپنی ضروریات کی تکمیل کے لئے دوسری مخلوق کی ضروریات پوری کرنے کے لئے تیار ہوجاتا ہے۔یوں آپس کے رہن سہن اور باہمی میل جول سے "معاشرہ" معرض وجود میں آتا ہے جو درحقیقت عائلی زندگی کا اثر ہے۔اس موقعہ پر فقہاء کرام کے چند مسائل پر توجہ دیتے ہیں۔

(۱) اقتصادیات :۔یہ نظام حیات کا وہ اہم حصہ ہے جس میں انسان خرید وفروخت اور اپنی ضروریات کی تکمیل کے لئے تگ ودو کرتا ہے فقہاء کرام اس حصہ میں مندرجہ معاملات کا تذکرہ کرتے ہیں۔

(۱) شرکت :۔طرفین سے مال یا محنت ہو۔

(۲) بیوع :۔یعنی خرید وفروخت کے مشروع وغیر مشروع طریقے۔معاملات میں باہمی اعتماد کے لئے حوالہ اور کفالہ کے مباحث،اور اگر کہیں مسائل میں جھگڑا پیدا ہو تو فیصلہ کن قوت پیدا کرنے کے لئے نظام قضاء وشہادت،دعویٰ کا طریقہ کار اور مصالحت کے طریقے۔

(۳) مضاربت :۔ایک فریق کی محنت اور دوسرے فریق کے مال سے ذرائع آمدنی پیدا ہوں۔

(۴) اجارہ:۔جہاں محنت کے ذریعے کمائی ہو۔

(۵) مزارعت :۔زمین اور محنت سے پیداوار ہو

(۶) مساقاۃ

(۷) چند دوسرے ذرائع آمدنی ہبہ،وراثت،اور عاریت وغیرہ۔

(۸) ناجائز ذرائع آمدنی کا تعین ربا اور غصب۔

(۹) شفعہ :۔جس کے ذریعہ ذاتی مفادات کا تحفظ ہو کسی غیر کو دخل اندازی کا موقعہ نہ ملے

(۱۰) القسمۃ) اس کے ذریعہ اپنا حصہ الگ کر کے استفادہ کو یقینی بنائے۔

(۱۱) احیاء موات:۔غیر آباد زمین کس طرح آباد ہو

(۱۲) رہن :۔کاروباری معاملات میں اعتماد پیدا کرنے کے لئے شہادت کے علاوہ رہن کا استعمال۔

(۱۳) چند دوسرے معاشرتی مسائل جن کا تعلق اقتصادیات کے بجائے رہن سہن اور معاشرت سے زیادہ ہے ان میں ذبائح،اضحیہ،اشربہ،صید وغیرہ کے مسائل بھی شامل ہیں۔ایسا ہی معاشرتی ضروریات کے حوالے سے ولاء،کتابۃ،وقف وغیرہ کے مسائل بھی فقہ میں بیان ہوتے ہیں۔

درس نظامی کی فقہ کی کتابوں میں نظام حکومت،انتظامی معاملات،خارجہ پالیسی اور مالی تعلقات کے مسائل یکجا نہیں ملتے ہیں ان کے لئے ہمیں دوسری کتابوں کی طرف مراجعت کی ضرورت پڑتی ہے جن میں ہر ایک مسئلہ پر مستقل کتابیں ملتی ہیں

فقہ اور عصری چیلنج:۔

یہ اپنی جگہ ایک حقیقت ہے کہ ہماری فقہ کی تدوین جس دور میں ہوئی اس وقت نہ یہ دنیا تھی اور نہ ان مسائل سے معاشرہ کی وابستگی تھی۔اس لئے جدید دور کے مسائل کا صراحۃ ملنا فقہ کی کتابوں میں مشکل تھا۔ہاں وہ اصول یقیناً موجود تھے جن کی بدولت اس وقت مسائل کا حل ڈھونڈا گیا اور آج بھی ان مسائل کا حل ان اصول کی روشنی میں نکالا جا سکتا ہے۔اس لئے دنیا بدلنے سے جب ادھر اُدھر سے صدائیں بلند ہوئیں تو لوگ تین طبقوں میں تقسیم ہو گئے

(۱) سطح پرستی یعنی جدت پسندی کا اعلیٰ مظاہرہ:۔

یہ وہ طبقہ ہے جو عالمی حالات سے اتنا متاثر ہوا کہ حالات حاضرہ کو اصل قرار دے کر قرآن وحدیث کی تشریح ان کی روشنی میں کی۔یہ وہ جدت پسند ہیں جنہوں نے نام نہاد اجتہاد کے ذریعہ بنیادی اصول میں ترمیم کی تجویز پیش کیں۔ان لوگوں نے کہا کہ حالات بدل گئے ہیں ابھی خواتین تعلیم یافتہ ہیں اور انسانی معاشرے کے قیام میں ان کا بنیادی کردار ہے اس لئے میراث اور گواہی میں ان کے تنصیف پر نظر ثانی کی ضرورت ہے یہ ان عورتوں کے حوالے سے تھا جو ان پڑھ اور معاشرتی اصولوں سے نابلد تھیں۔گھریلو خاتون کو نصف حصہ دینا چاہیے تھا لیکن ملکوں کی قسمت سے کھیلنے والی خاتون کو نصف حصہ دینا کہاں کا انصاف ہے؟ ایسا ہی سود معاشرہ کی ضرورت ہے آج کا سود تجارتی سود ہے جس میں کاروبار ہی بنیادی مقصد ہے اس میں کیا قباحت

Scanned with CamScanner

ہے؟ کہ ایک شخص تم سے پانچ لاکھ روپے لے کر ایک سال میں اس پر دو لاکھ مزید کمائے پھر ایک لاکھ امدنی اپنے پاس رکھے اور ایک لاکھ تمہیں اضافی دیدے ہاں جہاں ایک مجبور شخص کے استحصال کے لئے سودی معاملات مناسب نہیں ۔رہا مجبور شخص کا سود جو مناسب نہیں لیکن تجارتی سود ربا کی قسم نہیں ایسا ہی کئی ایسے مسائل ہیں جن میں یہ لوگ پھسل گئے گمراہی اور بے دینی کے سوا ان لوگوں کے ہاتھ کچھ نہیں آیا آج خواتین کی امامت کی رائے پیش کرنا یا نئی روشن خیالی کا نظریہ ان کی یادگار ہے۔

(۲) قدامت پسند

یہ وہ طبقہ ہے جو درحقیقت اول الذکر طبقہ کی ازاد خیالی کا ردعمل ہے ۔ان لوگوں نے جب اباحت پسند لوگوں کی گمراہی دیکھی تو انہوں نے دنیا کے حالات سے آنکھیں بند کر کے گوشہ نشینی میں اپنی عافیت سمجھی انہوں نے تلوار کی حقیقت سے چمٹ کر میزائل اور ایٹم بم کے مقابلہ کیلئے تلوار ہاتھ میں لینے کو ترجیح دی۔ کیونکہ قرآن وحدیث کے ذخیرہ میں اس کا تذکرہ تھا۔انہوں نے ہر جدت کو شک کی نظر سے دیکھا۔چنانچہ کئی سنجیدہ قسم کے علمی حضرات بسا اوقات کسی کتاب کا نام حاشیہ اور یا ایک آدھ توجیہ کا سہارا لیکر پیش قدمی یا حالات سے مفاہمت جرم سمجھتے ہیں۔ظاہر ہے ان آراء کی روشنی میں عصری مسائل کو قرآن کی روشنی میں حل کرنا ایک مشکل مسئلہ ٹھہرا۔

(۳) تدوین نو کی صدائیں۔

ان دونوں آراء کو مدنظر رکھتے ہوئے عالمی حالات سے گہری شناسائی اور درد دین رکھنے والے حضرات نے خیر خواہی کے جذبہ سے یہ صدائیں بلند کیں کہ عالمی حالات کو دیکھتے ہوئے فقہ کے مطالعہ میں گہری نظر کی ضرورت ہے ۔میرے خیال میں اس تیسرے طبقہ کے خیالات تعمیری ہیں ۔یہ ایک طرف نت نئے مسائل کا حل ڈھونڈتے ہیں ۔لیکن دوسری طرف اپنے اسلامی تشخص کا تحفظ ضروری سمجھتے ہیں ۔ان کی مثال یوں سمجھیں ۔کہ اول الذکر طبقہ نے زندگی کے برق رفتار

قافلہ کے کندھوں سے کندھا ملا کر اپنا سفر جاری رکھا۔جدت پسندی میں ایسی انتہاء پسندی کے شکار ہوئے کہ اپنا تشخص کھو بیٹھے۔اور دوسرے طبقہ نے ہمت ہارتے ہوئے عزلت نشینی میں اپنی عافیت سمجھی۔لیکن تیسرا طبقہ اپنے تشخص اور امتیاز سے سفر جاری رکھنے کا عزم رکھتا ہے۔ایسے موقعہ پر زندگی کے برق رفتار قافلہ کے ساتھ سفر جاری رکھنے کے لئے ہوشیار اور باہمت رجال کار کی ضرورت ہے۔

فقہ کا کونسا حصہ قابل توجہ ہے۔

ظاہر ہے کہ عصری حالات سے فقہ کا صرف وہ حصہ متاثر ہے۔جس کا تعلق معاشرتی مسائل سے ہے اس لئے اگر فقہ پر نظر ثانی کی ضرورت پڑے یا تدوین نو کا شکار ہو۔تو وہ عبادات کا حصہ کبھی نہیں ہوسکتا۔عبادت میں حالات اور زمانہ کی ترقی سے تبدیلی ممکن نہیں۔ایسا ہی گھریلوی زندگی بھی شاید زیادہ متاثر نہ ہو۔اس لئے ہمارا عائلی نظام بھی وہی رہیگا۔جو قدیم دور میں تھا۔لاکھ مرتبہ ترقی ہو لیکن میاں بیوی کی حیثیت سے زندگی گزارنے کیلئے نکاح ضروری ہے۔حالات جو بھی ہوں۔طلاق کا نظام اپنی جگہ قابل عمل ہے۔البتہ فقہ کا تیسرا حصہ یعنی معاشرتی مسائل پر نظر ثانی کی ضرورت ہے۔اس میں سب سے زیادہ توجہ اقتصادیات پر دینا ضروری ہے۔آج کے دور میں اقتصادیات ہی زمانہ کا وہ واحد ہتھیار ہے۔جس سے قوموں کے عروج وزوال کی داستانیں رقم ہوتی ہیں۔اور تاریخ بھی دنیا کا مطالعہ اقتصادیات کے حوالہ سے کرتی ہے۔شاید تاریخ زمانہ کے ساتھ چلتے ہوئے اقوام عالم کی تقویم مرتب کرتے وقت اقتصادیات کے پیمانہ سے کام لے۔اس لئے ہمیں عصری چیلنجوں کے مقابلہ کے لئے فقہ کی تدریس میں انقلابی طرز اپنانا چاہئے۔یہ تب ممکن ہے کہ ہم علم فقہ کی تدریس سے اھداف اعلی مقاصد کو رکھیں۔فقہ کی تدریس سے یقیناً اعمال درست ہونگے۔لیکن اس کے ساتھ معاملات کی درستگی بھی بنیادی مقصد ہے۔ہمیں یہ بھی یقین کرنا ہوگا کہ معاشرہ میں حالات سے آگاہی کے بعد ان پر حرام اور ناجائز کا حکم لگانے کے ساتھ متبادل قابل عمل صورت کی نشاندہی بھی ہوگی۔یہ تب ممکن ہے کہ فقہ پڑھاتے وقت حالات

حاضرہ پر گہری نظر رہے اور معاملات کو اسلام کے بنیادی اصولوں کی روشنی میں حل کرنے کا حسین جذبہ موجود ہو۔

علم فقہ کی تدریس میں قابل توجہ امور۔

اس سلسلے میں قابل توجہ امور درجہ ذیل ہیں۔

(۱) بالغ نظری کی ضرورت:

فقہ لغت میں "الشق والفتح" کا نام ہے۔ یعنی اس کے ذریعہ ہم مسئلہ کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کرینگے چنانچہ قرافی شرح "تنقیح الاصول" میں لکھتے ہیں۔

(الفقه ادراک الاشياء الخفية) فقہ خفیہ رازوں سے اگاہی کا نام ہے۔

اس لئے فقہ کی تدریس بھی اس انداز سے ہونا چاہیئے گویا آپ معاشرہ کے ان مخفی بھیدوں سے آگاہی کے لئے ایسا جذبہ رکھتے ہیں۔ کہ ان کے جاننے کے بغیر آپ چین سے نہیں بیٹھ سکتے۔ فقیہ بھی حقیقت میں ایسا شخص ہونا چاہیئے۔ جو فکر و تدبر سے قوانین کی حقیقت کا پتہ لگائے۔ اور مشکل و مغلق صورتوں کو واضح کرے۔ اس لئے فقہ کی تدریس جس استاد کے حوالہ ہو اس کے مزاج میں جستجو اور حالات جاننے کا جذبہ موجود ہو۔ تاکہ استاد خود مسائل جاننے کا خواہاں ہو۔ اور اپنے تلامذہ کو بھی ایسی صلاحیتوں سے بہرور کرنے کا جذبہ رکھتے ہو۔ ظاہر ہے کہ اس لئے استاد کے لئے عصری مسائل سے اگاہی ضروری امر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مفتی کے لئے ضروری ہے کہ وہ مروجہ حالات سے اگاہ ہو۔ امام محمدؒ اس مقصد کیلئے بازار جا کر لوگوں کے حالات جاننے کی کوشش کرتے تھے۔

نفسیات کے حوالہ سے فقہی مواد کی تقسیم۔

عصری تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے فقہ کی تدریس میں یہ بھی ضروری ہے۔ کہ طلبہ کی [illegible] لکھتے ہوئے مواد کی تقسیم ہو۔ ہمارے موجودہ انداز تدریس میں [illegible]

یہی وہ بنیادی کمزوری ہے۔ کہ ہمارے تدریسی مراحل میں تکرار ہے۔ چھ سال تک ہم فقہ کے اس حصہ پر مرکوز رہتے ہیں۔ جس میں عبادات ہیں۔ یا عائلی نظام کا تذکرہ ہے۔ صرف آخری سال میں جا کر ھدایہ اخیرین میں کہیں عصری مسائل پڑھنے کا موقعہ ملتا ہے۔ جو مباحث قدوری اور کنز الدقائق میں پڑھتے ہیں۔ انہی مسائل کا اعادہ شرح وقایہ اور ھدایہ میں ہوتا ہے۔ پھر یہ بھی ایک کمزوری ہے۔ کہ ان میں نفسیات کی رعایت نہیں ہوتی۔ معانی موجبہ للغسل بچوں کو اس وقت پڑھاتے ہیں۔ جب وہ لڑکپن کے زمانہ میں ہونے کی وجہ سے بلوغ کے مسائل سے نابلد ہوتے ہیں۔ نکاح کے مسائل طالب علمی کے اس دور میں چھیڑے جاتے ہیں۔ جب اس پر ہیجان کی کیفیت طاری ہوتی ہے۔ اس لئے عمر کی رعایت ضروری امر ہے۔ میرے خیال میں ثانویہ عامہ تک کا دورانیہ صرف عبادات کے لئے زیادہ مناسب ہے۔ جبکہ ثانویہ خاصہ کے دونوں سالوں میں عبادات کا طائرانہ مطالعہ اور عائلی نظام کی تدریس ضروری ہے۔ پھر عالیہ اور عالمیہ کے مراحل میں عائلی نظام پر توجہ ضمنی ہو اور معاشرتی مسائل کی تدریس عمیق نظر سے ہو۔ چونکہ جدت کے اثرات زیادہ تر اس تیسرے حصے پر پڑتے ہیں۔ اس لئے عالیہ کے پہلے سال ان مسائل پر توجہ ضروری ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ عصری مسائل اقتصادیات سے بھی طلبہ کی آگاہی ضروری ہے۔ تاکہ یہی طلبہ آگے جا کر فقہ پر تقابلی نظر رکھکر اس کا مطالعہ کریں۔

(۴) فقہ اور اصول فقہ کے باہمی رشتہ کی لاج۔

معاشرتی مسائل کے حصہ میں اگر ہمیں طلبہ میں استخراجی قوت پیدا کرنے کی ضرورت ہو تو پھر اس مرحلہ سے فقہ کی تدریس میں اصول فقہ کو سامنے رکھنا ہوگا۔ اس کے لئے ضروری ہے۔ کہ درجہ عالیہ کی فقہ ایسے تجربہ کار اساتذہ کے حوالہ ہو۔ جو فقہ کے ساتھ ساتھ اصول فقہ پر گہری رکھتا ہو چنانچہ ابن نجیم جلال الدین سیوطی کے حوالہ سے لکھتے ہیں۔

﴿ان معرفة القواعدالفقهيه تعين العالم علىٰ معرفة احكام النوازل والوقائع التی لم یرد لها حکم فاالقواعد ثابتةوالوقائع متجددة﴾

Scanned with CamScanner

بیشک قواعد فقہیہ کی معرفت عالم کے لئے نئے مسائل جاننے میں ممد و معاون رہتے ہیں۔ آج کل واقعات نئے ہیں۔ لیکن قواعد کی روشنی میں ان کے لئے حل ڈھونڈا جاسکتا ہے۔ بلکہ ابن نجیم مکی کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

اگر فقہ کی تدریس میں قواعد کی رعایت نہ ہو۔ تو بسا اوقات یہ جزئیات کے حکم میں تناقض پیدا ہونے کا ذریعہ بنتی ہے۔ قواعد سیکھنے کیلئے رسالہ کرخی لابی الحسن عبیداللہ الحسین الکرخی (م ۳۴۰ھ) تاسیس النظر لابی عبید اللہ بن عمر بن عیسیٰ الدبوسی (م ۴۳۰ھ) الاشباہ والنظائر لابن نجیم المصری (م ۹۷۰ھ) اور مجلۃ الاحکام العدلیہ کے مقدمہ کا مطالعہ ضروری ہے۔ ان کے علاوہ اصول فقہ کے مسائل کے لئے "اصول الشاشی، نور الانوار" کے مسائل خاصکر قیاس کے حصے کے مسائل پر گہری نظر ضروری امر ہے۔

(۴) دوسرے فقہی مذاہب کی تدریس۔

ہماری کمزوری ہے۔ کہ ہم فقہ کی تدریس میں دوسرے مذاہب کے فقہ کو ہاتھ نہیں لگاتے۔ بلکہ شجرہ ممنوعہ قرار دیکر خود اس کے قریب جاتے ہیں اور نہ طلبہ کو ہاتھ لگانے کی ضرورت کا احساس رکھتے ہیں۔ دوسرے مذاہب کے بارے میں ہمارے معلومات کا واحد ذریعہ خود ہماری فقہ کی کتابوں کا مناظرانہ انداز بیان ہے۔ اس کا بڑا نقصان یہ ہے۔ کہ بسا اوقات ایک مذہب کے بارے میں منفی سوچ ہمارے ذہنوں میں راسخ ہو جاتی ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے۔ کہ طلباء دوسرے مذاہب کی فقہ سے آگاہ ہوں۔ صاحب ہدایہ کی خدمات کی عظمت سے بھی انکار نہیں۔ وہ ہماری فقہ کا گراں قدر سرمایہ ہے۔ اس کی کتاب "ہدایہ" فقہ حنفی کے بنیادی مسائل کا حصہ ہے۔ لیکن اس کے باوجود کعبہ میں امام شافعیؒ کی طرف نماز کے عدم جواز کی نسبت یا کتاب النکاح میں امام مالکؒ کی طرف متعہ کے جواز کی نسبت تہمت کے سوا اور کچھ نہیں۔ لیکن اس سے کتاب کی عظمت متاثر نہیں ہوتی۔ آخر کار انسان کی کتاب ہونے کی حیثیت سے غلطی کا موجود ہونا یقینی امر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب وہ واحد کتاب ہے۔ جس میں غلطی کا احتمال نہیں۔ ایسی غلطیوں

کا تدارک اس وقت ہوسکتا ہے۔ جب دوسرے مذاہب کی کتابوں پر بھی نظر ہو۔ اس کا ایک دوسرا فائدہ یہ بھی ہے۔ کہ اگر معاشرتی مسائل میں کسی ایک مذہب کو لیکر آسانی کی صورت پیدا ہو۔ تو وہاں اس کی گنجائش پائی جاتی ہے۔ یوں طلبہ کے لئے عصری مسائل حل کرنے میں وسائل کی فراوانی ہوگی۔

(۵) مناظرانہ انداز بیان سے اجتناب۔

اختلافی مسائل کے تذکرہ میں ہم پر مناظرانہ انداز بیان غالب ہے۔ ہم امام شافعیؒ امام مالکؒ یا امام احمدؒ سے اختلاف کی صورت میں مسائل پر جو بحث کرتے ہیں۔ اس میں ایسا انداز بیان ہم پر غالب رہتا ہے۔ گویا یہ کہیں دو جانی دشمنوں کا مکالمہ ہے۔ حالانکہ علمی مسائل میں وسعت ظرفی کا مظاہرہ کر کے دوسروں کا سننا بھی پڑتا ہے۔ بحیثیت حنفی یہ ہمارا حق ہے۔ کہ اپنے مذہب کے ترجیحی سلوک کا تذکرہ ہو۔ لیکن ایسا بھی نہیں ہونا چاہیے کہ یہ جو دوسرے اکابرین کی تحقیر پر منتج ہو۔ ہدایہ میں اس انداز بیان کو اپنانے کے لئے بڑے دل گردے کی ضرورت ہے۔ البتہ مشکوۃ اور صحاح ستہ میں فقہی اختلاف کے حوالہ سے پہلے ماورد فی الباب روایات کا تذکرہ ہو۔ تاکہ طلبہ کے اذہان میں یہ بات بیٹھے۔ کہ مذہب کا اصل سرمایہ احادیث ہے۔ پھر ان روایات پر ائمہ مجتہدین کے اپنے اپنے اصول میں صوابدیدی سلوک کا تذکرہ ہو۔ کہ احناف یا شوافع نے فلاں فلاں روایت کو عمل کیلئے کیوں متعین کیا ہے۔ ترجیحی وجوہات کیا ہیں؟ اور دوسری روایات سے جان چھڑانے کیلئے کونسا راستہ اختیار کر سکتے ہیں؟ یہ مشکل کام ضرور ہے۔ لیکن اس سے تعمیری سوچ کی آبیاری ہوگی۔ اور مزاج پر تعصب کا اثر غالب نہیں رہیگا۔ اس کے لئے اختلافی مسائل میں جملہ روایات کو مدنظر رکھیں اور پھر ہر مذہب کے اصول کو سمجھیں۔ ابن رشدؒ نے "بدایۃ المجتہد" کے حوالے سے اس میدان میں خاصہ کام کیا ہے۔ بدائع الصنائع اور شاہ انور شاہ کشمیریؒ کی فیض الباری کے مطالعہ سے اس میدان میں کافی رہبری مل سکتی ہے۔

Scanned with CamScanner

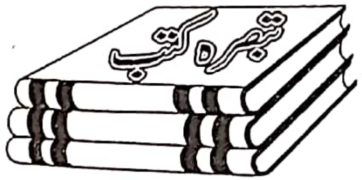

کتاب: سوانح حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ

مؤلف: مولانا عبدالقیوم حقانی

تبصرہ نگار: یعقوب الرحمٰن ہزاروی

صفحات: ۲۷۲

حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ وہ عظیم شخصیت ہے جو اپنی تدریسی اور روحانی خدمات کی مصروفیات کے باوجود آپ اسلام کے سیاسی رخ سے بھی غافل نہ تھے - اور بڑی تندہی سے سیاسی میدان میں بھی خدمات انجام دیتے رہے - جمعیت علماء ہند کے صدر اور قائد کی حیثیت سے آپ نے ایک بلند مقام حاصل کیا اور ہندوستان کی تحریک آزادی کے سلسلہ میں کئی بار قید و بند کی صعوبتیں اٹھائیں - بالآخر ملک کو انگریزوں سے آزاد کرایا اور تمام عمر آزادئے ہند کی خاطر اپنی جانی و مالی قربانیوں سے بھی دریغ نہیں کیا - کانگریس میں شریک ہو کر ملکی آزادی کے لئے سیاسی جدوجہد میں سردھڑ کی بازی لگادی - جیلوں میں سختیاں جھیلیں - اور فرنگی تشدد ان کے پائے استقلال کو ذرہ بھی لغزش میں نہ لا سکا - اور ہمیشہ فرنگی حکومت کو پائے استحقار سے ٹھکراتے رہے۔ ان کا نظریہ یہ تھا کہ پہلے ہندو اور مسلمان دونوں ملکر ہندوستان کو آزاد کرائے - اور پھر مسلمان ممالک کو دعوت دی کہ ہندوستان کو زیر نگین لائے - آپؒ کے کارناموں میں زبردست کارنامہ وہ ہے جو ۱۹۴۷ء میں انہوں نے اس وقت انجام دیا جبکہ بھارت میں مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا تھا - اور چاروں طرف ہندوؤں اور سکھوں کے سفاک ہاتھوں نے مسلمانوں کے قتل سے ہاتھ رنگین کر کے ہندوستان کی زمین کو لالہ زار بنا دیا تھا - اس وقت مولانا مدنیؒ گولیوں کی بوچھاڑ میں جان ہتھیلی پر رکھ کر مسلمانوں کی جان و مال اور عزت و ناموس کی خاطر دہلی، سہارنپور، مرادآباد، میرٹھ کے گلی کوچوں میں پھرتے رہے - حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کی قیادت کا سہرا آپ کے سر تھا - الحاصل آپ ساری زندگی ملک و ملت کی خدمت میں مصروف رہے - اور بالآخر اکابرین دیوبند کی عظیم نشانی ۱۳ جمادی الاولی ۱۳۷۷ھ بروز بدھ بعد نماز ظہر داعی اجل کو

لبیک کہا - آپ کی نماز جنازہ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا نے پڑھائی -

زیر نظر کتاب فاضل مؤلف مولانا عبدالقیوم حقانی کی وہ نایاب شاہکار ہے - جس کے لئے قارئین حضرات برسوں سے انتظار کر رہے تھے - اب بفضلہ تعالی چھپ کر منظر عام پر آ گئی ہے - اور آپ لوگوں کے ہاتھوں میں ہے - مضامین کے لحاظ سے جامع اور گونا گوں علمی و عملی فوائد کا گنج گراں مایہ ہے - محض خشک تاریخ نہیں ہے بلکہ قارئین اس سے علم، جذبہ، عمل میں ترقی اور زندگی کے عملی اور سیاسی میدان میں راہنمائی حاصل کریں گے - فاضل مؤلف نے اپنی کتاب میں حضرت مدنیؒ کی سیرت و کردار، اخلاص وللّٰہیت، تقوی اور احتیاط، اعلی اخلاقی اقدار، ایثار، توکل، اور خدمت خلق کے حوالے سے جو کچھ قلمبند کیا ہے - امت مسلمہ کے لئے عموماً اور عقیدت مندوں کے لئے خصوصاً مشعل راہ اور باعث مسرت ہے - نیز حضرت شیخ الہندؒ سے خصوصی تعلق، عشق و محبت، خدمت و مصاحبت اور جانشینی کے حوالے سے وہ انمول ذخائر جمع کئے ہیں جو بڑی اہمیت کے حامل ہونے کے ساتھ ساتھ دلچسپ اور دلنشین بھی ہیں - کتاب کی ایک اہم خوبی یہ بھی ہے کہ اس سے اطفال سیاست مستفید ہو کر اپنے تشنہ قلوب کو سیراب کرتے رہیں گے - نتیجتاً سیاست کے عملی میدان کے شہسوار بن جائیں گے - کتاب تکرار سے محفوظ ہے - جہاں کہیں آیا ہے تو کوئی اچنبھے کی بات نہیں - لقمے کو جس قدر چبایا جائے وہ زود ہضم بن کر موجب قوت بنتا ہے -

البتہ کتاب اگر شیخ الاسلام کی سیاسی زندگی پر تفصیل قدرے زیادہ ہوتی تو سیاسی لوگوں کے لئے مزید ترقی کی راہیں کھل جاتیں -

کتاب کا نام	سلاح المؤمن
مؤلف کا نام	مولانا محمد امین دوست صاحب
صفحات	۳۸۰
ناشر	جامعہ تعلیم الاسلام صوابی/ادارہ اشرفیہ عزیزیہ

تبصرہ نگار مولانا محمد فاروق غالب

عبادت میں مقصود رب ذوالجلال کے دربار عالی میں عاجزی کا اظہار ہوتا ہے۔ قال اور حال سے عجز وانکساری کرے۔ بندہ کا اقرار ہو کہ

میں کچھ بھی نہیں — میرا کچھ بھی نہیں
تو سب کچھ ہے — تیرا سب کچھ ہے

دعا کو سرور کائنات نے عبادت کا مغز فرمایا ہے۔ بنیادی وجہ یہی ہے کہ دعا میں بندہ اپنے عجز، ذلت اور مسکنت کا مظاہرہ کرتا ہے۔ دعا کرنے والے کی ہیئت اور حالت میں خشوع وخضوع کا اعلیٰ نمونہ پایا جاتا ہے۔ (بشرطیکہ اصول وآداب دعا کی رعایت ہو) ہمارے دین متین میں دعا کے بارے میں بہت سی آیات اور کئی احادیث وارد ہوئی ہیں۔ جن میں دعا کی اہمیت، فضیلت اور آداب وشرائط کا تذکرہ پایا جاتا ہے۔ مادہ پرستی کے سیل رواں میں مسلمان کچھ اس طرح بہہ گئے کہ باری تعالیٰ کے ساتھ رابطے کا یہ قوی وسیلہ (دعا) محض ایک رسم رہ گئی۔ اور

ہاتھ اٹھائے ہیں۔ مگر لب پر دعا کوئی نہیں

کا نظارہ تقریباً ہر جگہ دیکھنے میں آتا ہے۔ لیکن خداوند تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے بھی ہیں۔ جن کو دعائے نیم شب کی عادت پڑ گئی ہے۔ وہ گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ کے ساتھ رابطہ رکھتے ہیں۔

عقل پرستی اور ظاہر بینی کے اس اندوہناک ماحول میں ضرورت اس بات کی ہے کہ باقی روحانی سلسلوں کے ساتھ ساتھ دعا کی کھوئی ہوئی اہمیت دوبارہ عامۃ المسلمین کے دلوں میں پیدا کی جائے۔ زیر تبصرہ کتاب بھی اس سلسلے کی اہم کاوش ہے۔ یہ کتاب نو ابواب پر مشتمل ہے۔ جن میں دعا کی فضیلت، اہمیت، آداب اور شرائط پر سیر حاصل بحث موجود ہے۔ علاوہ ازیں عقل پرستوں کے چند شبہات اور ان کے جوابات کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ اکابر علماء کی تقاریظ سے مرصع یہ مجموعہ یقیناً اپنے موضوع پر مفید کتاب ہے۔

بنوں برانڈ ٹریڈ مارک معیار میں اعلیٰ

ثمر ابل الادم

سولہ اجزاء کا مجموعہ

بنوں

سالن مصالحہ

مرچ سرخ، دھنیا، ہلدی، لہسن، میتھی، زیرہ، کالی، دارچینی، جلوتری، الائچی کلاں، اچورہ، انار دانہ، تیز پتہ، جائفل، لونگ اور ٹماٹر پاؤڈر

تیار کردہ: حاجی مقبول الرحمن، شاقیاز خان

گل آباد کالونی دلہ زاک روڈ پشاور - پاکستان